خصوصی اشاعت

بیاد

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی قدس سرہ

سابق استاذ فقہ وحدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

اشاعت کا بارہواں سال

مغربی یوپی کے علمی وتربیتی مرکز

جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور مظفر نگر (یوپی) کا اصلاحی ترجمان

سہ ماہی

دعوۃ الصدق

بیاد

حضرت مفتی مہربان علی صاحب بڑوتی قدس سرہ

زیر نگرانی مولانا محمد اسماعیل صادق حفظہ اللہ تعالیٰ

مرتب میر زاہد مکھیالوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ

اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۲۱ء

سہ ماہی

دعوۃ الصدق

جلد نمبر ۱۲

شمارہ نمبر ۴

بیاد

حضرت مرشد الامت مفتی مہربان علی صاحب بڑوتی قدس سرہ

مجاز بیعت: فقیہ الاسلام حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ
سابق ناظم اعلیٰ مظاہر علوم وقف سہارن پور

سابق سرپرستان

حضرت اقدس مولانا مفتی حبیب اللہ مہاجر مدنی قدس سرہ سابق استاذ حدیث حرم مدنی زادہا اللہ شرفاً

حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی قدس سرہ سابق استاذ حدیث و نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

موجودہ سرپرستان

حضرت مولانا حکیم سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری دامت برکاتہم

حضرت مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب دامت برکاتہم سہارنپور

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد اسماعیل صادق مدظلہ شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ بلاسپور

مجلسِ ادارت

مدیر تحریر ____________ میرزاہد مکھیالوی
09410621735

مدیر مسئول ____________ مفتی محمد عابد یسع مکھیالوی
09808223016

معاون ____________ قاری محمد تحسین فلاحی بلاسپوری
09758238296

معذرت

ڈاک کی بد نظمی کے باعث اگر رسالہ آپ کی خدمت میں نہ پہنچے، تو براہِ کرم فون پر مطلع فرمادیں؛ تاکہ دوبارہ ارسال کیا جاسکے۔ (ادارہ)

رابطے کے لیے

دفتر سہ ماہی دعوۃ الصدق
جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور مظفر نگر یوپی
09759856363-09410621735

اس شمارے کی قیمت ۸۰ روپے ہے۔

Email:jamiablp@gmail.com

طابع وناشر

محمد عابد یسع مطبع ڈی لکس پرنٹنگ پریس راج مارکیٹ مظفر نگر
جاری کردہ
دفتر سہ ماہی دعوۃ الصدق جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور مظفر نگر یوپی

فہرست مضامین

ماہی
دعوۃ الصدق

صفحات			نمبر شمار
۳	مولانا محمد اسماعیل صادق قاسمی مدظلہ	اداریہ	۱
۸	میرزاہد مکھیالوی	تعلیم القرآن	۲
۱۳	حضرت مولانا منظور نعمانی قدس سرہ	تعلیم الحدیث	۳
۱۴	مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری مدظلہ	حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ	۴
۱۸	مولانا محمد فہیم الدین بجنوری قاسمی	عرش گیر بھی، خاک نشین بھی	۵
۲۲	مولانا عبیداللہ شمیم قاسمی	علم وعمل کے نیر تاباں کی رحلت	۶
۲۸	ابوخدیجہ	منصب تدریس اور اس کی ذمے داریاں (قسط ۱۲)	۷
۳۳	مولانا مفتی ریاست علی قاسمی امروہوی	ملت اسلامیہ کی انتہائی مفید و بابرکت شخصیت	۸
۴۸	ابوعبید	نہایت مشفق ومخلص سرپرست	۹
۵۶	مولانا مفتی محمد توحید قاسمی پرتاپ گڈھی	جن کی خوشبو سے معطر تھا چمن	۱۰
۶۳	مفتی محمد شعیب علی گڑھی	حضرت مولانا سنبھلی رحمہ اللہ	۱۱
۸۴	مفتی محمد عابد سمیع قاسمی مظاہری	جامع الکمالات ممتاز شخصیت	۱۲
۸۸	ادارہ	احوال جامعہ	۱۳

نوٹ: اس دائرے کا سرخ نشان آپ کے زرِ تعاون کے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے، بہ راہِ کرم تعاون ارسال فرما کر اپنا سلسلہ جاری رکھیں۔

(اداریہ) ایک ہمہ جہت، نفع بخش اور بے ضرر شخصیت

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نور اللہ مرقدہٗ

اُستاذ حدیث و نائب مہتمم دارُالعلوم دیو بند

مولانا محمد اسماعیل صادق مدظلہٗ

اللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسے افراد پیدا کرتے ہیں جن کے وجود سے ایک بڑا طبقہ فیضیاب ہوتا ہے، اور وہ اپنے علمی و عملی کارناموں اور بلند اخلاقی قدروں سے عوام وخواص میں اپنی محبوبیت کا مقام بنا لیتے ہیں۔ اپنی حیات مستعار میں وہ قدم بہ قدم نفع بخش ثابت ہوتے ہیں، اور بعد والوں کے لیے ایک بہترین نمونہ اور قابل تقلید نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔

ایسی ہی برگزیدہ اور بلند پایہ شخصیات میں سے دارُالعلوم دیو بند کے اُستاذ حدیث و نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً تھے۔

آپ مجسمۂ اخلاق اور شفاف کردار کے مالک تھے، دارُالعلوم کے چھوٹے بڑے اساتذہ اُن سے گہری محبت و تعلق رکھتے تھے اور شاید ہی کسی کو زندگی بھر اُن سے کوئی شکایت ہوئی ہو۔

ناچیز نے اول مرتبہ ان کی زیارت اس وقت کی جب بندہ ۱۴۱۳ھ میں دارُالعلوم دیو بند میں ہفتم کا طالب علم تھا، سال ہفتم (مشکوٰۃ شریف) میں راقم ترتیب اولیٰ میں تھا اور اس ترتیب میں حضرتِ والاؒ کا تدریسی کوئی گھنٹہ نہیں تھا؛ اس لیے براہِ راست استفادے کا موقع تو نہ مل سکا؛ لیکن ان کو کبھی کبھی راستے سے گزرتے دیکھا، سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ، جسم ہلکا پھلکا، رفتا تیز مگر پُر وقار، سفید رُومال جو سردی گرمی میں ہمیشہ آپ کے سر پر رہتا، نظریں جھکی ہوئی، عالمانہ انداز گزرنے والوں کو سلام اور سلام کرنے والوں کو جوابات بالکل البیلے انداز میں مسکراہٹ کے ساتھ دیتے۔

۱۴۳۲ھ میں اپنے شفیق دوست اور کرم فرما حضرت مولانا حسین احمد صاحب ہریدواری اُستاذ دارُالعلوم دیو بند کے واسطے سے ہم نے باقاعدہ اُن سے ملاقات کی، اور اول بار اُن کے دسترخوان پر ناشتہ کیا۔ جس پر ہم قلب کی گہرائیوں سے حضرت مولانا موصوف کے شکر گزار ہیں۔

ہمیں دارُالعلوم دیو بند سے کسی مؤقر شخصیت کو اپنے جامعہ فلاحِ دارین کے لیے

سرپرست بنانا تھا، اُن کی بلند اخلاقی، زبان کی چاشنی، شرافت وبزرگی اور انتظامی صلاحیت کی پختگی نے ایسا متاثر کیا کہ آئندہ ملاقات میں اس کی درخواست پیش کردی، اولاً تو اپنی کسرنفسی اور عاجزی کی وجہ سے معذرت کرنے لگے؛ لیکن ہماری مخلصانہ گزارش اور والہانہ وابستگی کی بنیاد پر اُنھوں نے قبول فرمالیا، اور ایسی سرپرستی فرمائی کہ واقعی سرپرستی کا پوراپورا حق ادا کردیا۔ عموماً فی زمانناسرپرستیاں برکت کے لیے ہوتی ہیں، یا صرف سالانہ جلسوں اورزیادہ سے زیادہ امتحانات کی حد تک محدود ہوتی ہیں؛ لیکن فلاحِ دارین کے اساتذہ کی تقرریاں، اُن کے استقلال ومعزولی، ترقی وتنزلی، مشاہرات میں اضافہ وترقی، بیرونی طلبہ کے داخلوں اورتعداد کا تعیُّن، تعلیمی سال کا آغاز واختتام، دونوں امتحان (ششماہی وسالانہ) کی ترتیب، بحیثیت ممتحن دارُالعلوم دیوبند سے اساتذہ کا انتخاب، سالانہ اجلاس یا کسی اور پروگرام کا انعقاد، جماعت جلالین شریف سے آگے مشکوٰۃ شریف کی جماعت کا آغاز اور پھر دورۂ حدیث شریف وافتاء کی جماعتوں کی ابتداء۔ غرض ہر ہراہم معاملے میں وہ مکمل بااختیار سرپرست رہے۔

جامعہ فلاحِ دارین بلاس پور کی مجلس شوریٰ کے وہ مؤقر رُکن بھی تھے، سبھی ارکان جب اپنے اپنے مشورے پیش کرتے، تو وہ ہر ایک کی رائے کو خندہ پیشانی وبشاشت کے ساتھ سماعت کرتے، کسی کی بات کو رد نہ فرماتے، جب اکثر حضرات اپنا اپنا موقف پیش کردیتے، تو اُن کی فیصلہ کُن رائے کے سبھی منتظر رہتے۔ وہ ایسی دانش مندی اور دوراندیشی سے مشورہ دیتے کہ جو اکثر حضرات کے قلوب کو منشرح کردیتا، اور آئندہ عمل میں آنے کے بعد بفضل اللہ وہ صحیح بھی ثابت ہوتا۔

بلاس پور بغیر نظام اور دعوت کے بکثرت تشریف لاتے اور خدام جامعہ کے لیے مزید سعادت مندی یہ ہوئی کہ دارُالعلوم دیوبند کے اکثر اساتذہ نعمتِ غیر مترقبہ کے طور سے انہیں کے ہمراہ تشریف لائے، مظفرنگر بائی پاس سے گزرہو، اور اُنھوں نے اپنے بابرکت وجود سے جامعہ کی فضاؤں کو جاتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے معطر نہ کیا ہو ایسا شاذ ونادر ہی ہوا ہے۔ اور یہ نظام اچانک طے شدہ ترتیب کے بغیر ہی بنتا، بس دیوبند سے نکلتے ہوئے کبھی روحانہ پہونچ کرفون کردیتے اور ہم خدام حسبِ موقع ضیافت کی شرف یابی حاصل کرلیتے، یادنہیں پڑتا

کہ کوئی مہینہ ایسا گزرا ہو کہ جس میں آپ جامعہ میں قدم رنجہ نہ ہوے ہوں۔

اخیر کے چند سالوں میں تو تعلق و محبت کی گہرائی اس حد تک ہوگئی تھی کہ اگر راقم الحروف ایک ہفتہ فون نہ کرتا، تو ان کی کال آجاتی، اور پُر شفقت لہجہ میں فرماتے: **''کئی روز ہوگئے تھے بات نہیں ہو پائی تھی، سب خیریت ہے نا۔!''** بندہ یہ مشفقانہ لہجہ سن کر نادم ہوتا اور معذرت پیش کرتا تو فرمادیتے: **''کوئی بات نہیں مشغولی رہتی ہے''**

عاجز کا فون کسی وجہ سے بند ہوتا، یا نہ اُٹھتا تو رفیقِ محترم مولانا میر زاہد صاحب زید کرمہٗ کو فون کرتے کہ اُن (راقم) سے بات کرنے کے لیے کہیں۔!

مضمون نگار جب کسی انتظامی مشورے کے لیے فون کرتا اور وہ وقت مقرر کر کے کہتے: **''اس سلسلے میں کل صبح دس بجے یا ظہر کے بعد فون کرلینا''**۔ یہ ناچیز اپنے ضعف یادداشت یا کسی شغل کی وجہ سے وقت مقررہ پر فون نہ کر پاتا تو چند منٹ میں انہیں کی کال آجاتی۔ بندہ کے قلب پر تأثر ہوتا کہ اس قدر مصروف ترین انسان اور کام بھی ہمارا پھر بھی وہ از خود فون کر کے کہہ رہے ہیں تو اس کو علاوہ سراپا شفقت و اخلاص کے اور کیا نام دے سکتے ہیں؟ اور ایسے شریف المزاج کہ کبھی بھی یوں نہ فرماتے کہ آپ نے فون نہیں کیا، آپ کو خیال رکھنا چاہیے؛ بلکہ مقصد پر گفتگو شروع فرمادیتے۔ کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ اچانک کسی پروگرام کے لیے ایک دو یوم قبل عرض کیا اگر تاریخ خالی رہی تو انکار نہیں فرمایا، خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمالیا۔

اس ناچیز نے دارُالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں جو چیز قدرے مشترک دیکھی وہ علم کی پختگی و گہرائی کے ساتھ سادہ مزاجی ہے۔ چھوٹے بڑے پروگرام میں شریک ہوجاتے ہیں، جیسی جگہ چاہو قیام کرادو اور جتنا سادہ چاہو کھلادو، تصنع، نزاکت اور نکتہ چینی والا مزاج نہیں۔ ان خصوصیات میں آپؒ اور حضرت قاری عثمان صاحب منصور پوریؒ کامل و مکمل تھے، ہر چھوٹی بڑی جگہ تشریف لے جاتے، اہل مدارس کی بے ضابطگیاں بھی برداشت فرمالیتے۔ کوئی بھی دعوت پیش کرتا کوشش کرتے کہ وہ مایوس نہ لوٹے، حد درجہ کوشش فرماتے کہ پہلے سے طے شدہ نظام کو آگے پیچھے کر کے وقت میں گنجائش نکال کر ان کے نظام میں بھی شرکت فرمالیں۔

کئی بار ایسا بھی ہوا حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم (مہتمم دارُالعلوم دیوبند) نے اپنی نیابت کے لیے حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی صاحبؒ کو مقرر فرمایا، جس کو آپ نے پوری بشاشت کے ساتھ منظور فرمالیا۔

بظاہر کوئی ایسی بیماری ان کو نہیں تھی سب کام اپنے وقت پر جاری تھے، چند مہینوں سے ذرا شوگر بڑھنے کی وجہ سے خورد ونوش میں احتیاط شروع کر دی تھی۔ رمضان ۱۴۴۳ھ سے قبل یَرقان (پیلیا) ہوا، غالباً ۱۲ ررمضان میں احقر نے عرض کیا کہ ایک بار سب جانچ اور ٹیسٹ وغیرہ صاحب زادۂ گرامی مفتی عزیز صاحب کے واٹسپ سے ارسال فرمادیں۔ برادرِ مکرم حافظ وڈاکٹر نور علی صاحب سے ایک بار مشورہ لے لیتے ہیں۔ بھائی صاحب نے سب چیزیں دیکھیں، اور یہ کہہ کر کہ ایک جانچ اور لکھ دی کہ مجھے دوسرا شک ہورہا ہے؛ اس لیے یہ ٹیسٹ کرالیں جو مظفرنگر ہی میں ہوجائے گا۔ چناں چہ بندہ بھی ان ڈاکٹر صاحب کے یہاں حاضر ہوگیا، کافی دیر کوشش کے بعد ڈاکٹر نے بھائی صاحب کو فون کیا کہ اس میں تصویر واضح نہیں ہورہی ہے؛ اس لیے بڑی جانچ کے لیے آپ ان کو میرٹھ بھیج دیں۔ چناں چہ اگلے روز میرٹھ وہ چیک اَپ ہوا، جس میں ایک مہلک بیماری سامنے آئی؛ لیکن حضرتِ والاؒ کے بیٹوں نے حضرتؒ سے پردہ رکھا اور گھر میں بھی محدود لوگوں سے ہی اس کا اظہار کیا، مرض نے شدت اختیار کرنا شروع کی تو بھائی صاحب کے یہاں ''احمد ہاسپٹل مظفرنگر'' میں داخل کرا دیا، جس سے وقتی افاقہ تو ہوگیا؛ لیکن تشخیص شدہ مرض کا علاج شروع نہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنا اثر دکھلانا شروع کردیا، انگریزی دوائیوں سے احتیاط برتتے ہوے دیسی دوائیوں کا مشورہ ہوا، جس کے لیے بلاس پور سے متصل شیر نگر بستی کے حکیم سلیم صاحب کے یہاں علاج شروع کرادیا، کئی بار طبیعت میں سُدھار محسوس ہوا، حکیم صاحب نے بھی اطمینان کا اظہار کیا؛ لیکن اندر اندر مرض اپنے پنجے گاڑ چکا تھا۔ کئی ایک جگہوں سے نسخے اور دوائیاں منگوا کر استعمال کرائی گئیں؛ لیکن کچھ فرق نہ پڑا، اس دوران بی پی، شوگر اور آکسیجن غیر معتدل ہوا، تو بھائی صاحب کے ہاسپٹل لے آئے، جہاں یہ چیزیں بفضل اللہ قابو میں آگئیں۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ اور دارُالعلوم کے دیگر ذمے داران کے مشورے سے ایک بار مخصوص

ہاسپٹل دہلی لے کر گئے؛لیکن وہاں کے ڈاکٹروں نے کوئی ذمہ نہیں لیا،اور ایک سمجھ دار، تجربے کار،سینئر ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ پریشانی وتکلیف مزید بڑھ سکتی ہے؛اس لیے واپس گھر ہی لے جاؤ۔

انتقال سے ایک روز قبل بوقتِ عشاء رفیق گرامی مولانا میرزاہد صاحب، برادرِ مکرم ڈاکٹر نورعلی، برادرعزیز ہاشم سلمہٗ کے ساتھ بندہ عیادت کے لیے حاضر ہوا،تو مکمل بے ہوشی تھی،اور بی پی کافی کم تھا، بھائی صاحب نے چند انجکشن و دوائیاں لکھیں،جس سے رات بخیر گزری اور علی الصباح احمد ہاسپٹل داخل ہوگئے؛لیکن بے ہوشی طاری تھی بھائی نے علاج شروع کیا تو ہوش آیا،آنکھیں کھولیں اور مسکراہٹ کے ساتھ اپنے خاص انداز میں ہونٹوں کو جنبش دے کر **''جزاک اللہ''** کہا۔جس طرح وہ ہر بار ڈاکٹر صاحب کے علاج کرنے پر کہا کرتے تھے۔دوپہر کے بعد تک طبیعت بہتر محسوس ہوتی رہی؛لیکن تقریباً ساڑھے تین بجے بی پی کم ہوا،سانس میں تکلیف ہوئی اور اسی حال میں یہ علم وعمل کے جامع اور انتظامی صلاحیتوں کے حامل اپنے رب کے حضور جاپہونچے۔''إنا لله وإنا إليه راجعون ''اِنَّ لِلّٰهِ مَااَخَذَ وَلِلّٰهِ مَا اَعْطٰی وَ کُلٌ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ.

اس پوری بیماری میں بحیثیت خادم احقر ،رفیق گرامی ،ڈاکٹر صاحب اور کئی بار ہاشم سلمہٗ حضرت کے پاس رہے؛لیکن مشترکہ طور پر جو بات چاروں نے محسوس کی وہ یہ ہے کہ جیسی تکلیف دہ بیماری تھی اس کا اثر اُن کے چہرے پر ایک بار بھی محسوس نہیں ہوا،عید بعد کئی بار ہم لوگوں کے ساتھ چائے ناشتے میں شریک رہے،ہمیشہ چہرے پر کھلتی مسکراہٹیں،نظروں میں شفایابی کی اُمیدیں،زبان پر شکر الٰہی ،پوراجسم پُرسکون؛البتہ بے ہوشی کا سلسلہ شروع ہوا،تو پھر اُنھیں خبر نہ رہی کہ کون آ،جارہا ہے؛لیکن اس عالم میں بھی بے چینی وچیخیں نہیں، ہوش آتا،تو بس خاموش سے رہتے جیسے اُنھیں اپنی بیماری کا مکمل ادراک ہوگیا ہو۔جیسی شریفانہ زندگی گزاری مہلک بیماری میں اسی شریفانہ طبیعت کا اثر ظاہر ہوا۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور خوب درجات عالیہ سے نوازے ،قبر کو نور سے بھردے اور اعلیٰ علیین میں ٹھکانہ نصیب فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

تعلیم القرآن

دنیا کی زندگی کا خلاصہ؟

ابو محمد میر زاہد کھیالوی

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ؁ (سورۂ حدید: ۲۰)

ترجمہ: خوب سمجھ لو کہ اس دنیا والی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، تمھارے ایک دوسرے پر فخر جتانے کا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے کا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش جس سے اُگنے والی چیزیں کسانوں کو بہت اچھی لگتی ہیں، پھر وہ اپنا زور دکھاتی ہے، پھر تم اُس کو دیکھتے ہو کہ زرد پڑ گئی ہے، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے، اور آخرت میں (ایک تو) سخت عذاب ہے اور (دوسرے) اللہ کی طرف سے بخشش ہے اور خوشنودی، اور دنیا والی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔ (توضیح القرآن)

تشریح: ان آیات میں دنیائے فانی کا ناقابلِ اعتماد ہونا بیان کیا گیا ہے، پہلے ابتدائے عمر سے آخر تک جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے، اور جس میں دنیا دار منہمک و مشغول اور اس پر خوش رہتے ہیں، اُس کا بیان ترتیب کے ساتھ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کا خلاصہ بہ ترتیب چند چیزیں اور چند حالات ہیں، پہلے لہو، پھر لہو، پھر زینت، پھر تفاخر، پھر مال و اولاد کی کثرت پر ناز و فخر۔

لعب وہ کھیل ہے جس میں فائدہ مطلق پیش نظر نہ ہو، جیسے بہت چھوٹے بچوں کی حرکتیں، اور لہو وہ کھیل ہے، جس کا اصل مقصد تو تفریح اور دل بہلانا اور وقت گذاری کا مشغلہ ہوتا ہے، ضمنی طور پر کوئی ورزش یا دوسرا فائدہ بھی اس میں حاصل ہو جاتا ہے، جیسے بڑے بچوں کے کھیل، گیند، شناوری یا نشانہ بازی وغیرہ حدیث میں نشانہ بازی اور تیرنے کی مشق کو اچھا کھیل فرمایا ہے، زینت بدن اور لباس وغیرہ کی حقیقت معروف ہے، ہر انسان اس دور سے گذرتا ہے

کہ عمر کا بالکل ابتدائی حصہ تو خالص کھیل یعنی لعب میں گذرتا ہے، اس کے بعد لہو شروع ہوتا ہے، اس کے بعد اس کو اپنے تن بدن اور لباس کی زینت کی فکر ہونے لگتی ہے، اس کے بعد ہم عصروں، ہم عمروں سے آگے بڑھنے اور اُن پر فخر جتلانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

اور انسان پر جتنے دور اس ترتیب سے آتے ہیں، غور کرو تو ہر دور میں وہ اپنے اسی حال پر قانع اور اسی کو سب سے بہتر جانتا ہے، جب ایک دَور سے دوسرے دَور کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، تو سابقہ دور کی کمزوری اور لغویت سامنے آجاتی ہے، بچے ابتدائی دور میں جن کھیلوں کو اپنا سرمایۂ زندگی اور سب سے بڑی دولت جانتے ہیں، کوئی اُن سے چھین لے تو اُن کو ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسا کہ کسی بڑے آدمی کا مال واسباب اور کوٹھی بنگلہ چھین لیا جائے؛ لیکن اس دور سے آگے بڑھنے کے بعد اس کو حقیقت معلوم ہوجاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے اُس وقت مقصودِ زندگی بنایا ہوا تھا وہ کچھ نہ تھیں، سب خرافات تھیں، بچپن میں لعب، پھر لہو میں مشغولیت رہی جوانی میں زینت اور تفاخر کا مشغلہ ایک مقصد بنا رہا، بڑھاپا آیا، اب مشغلہ تکاثر فی الاموال والاولاد کا ہوگیا، کہ اپنے مال ودولت کے اعداد وشمار اور اولاد ونسل کی زیادتی پر خوش ہوتا رہے، ان کو گنتا گناتا رہے؛ مگر جیسے جوانی کے زمانے میں بچپن کی حرکتیں لغو معلوم ہونے لگی تھیں، بڑھاپے میں پہونچ کر جوانی کی حرکتیں لغو و ناقابلِ التفات نظر آنے لگیں، اب بڑے میاں کی آخری منزل بڑھاپا ہے، اس میں مال کی بہتات، اولاد کی کثرت وقوت اور ان کے جاہ ومنصب پر فخر سرمایۂ زندگی اور مقصودِ اعظم بنا ہوا ہے، قرآنِ کریم کہتا ہے کہ یہ حال بھی گذر جانے والا ہے اور فانی ہے، اگلا دور برزخ، پھر قیامت کا ہے، اس کی فکر کرو، کہ وہ ہی اصل ہے، قرآن کریم نے اس ترتیب کے ساتھ ان سب مشاغل ومقاصد دنیویہ کا زوال پذیر، ناقص، ناقابلِ اعتماد ہونا بیان فرمادیا، اور آگے اس کو ایک کھیتی کی مثال سے واضح فرمایا: كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا، غیث کے معنی بارش کے ہیں، اور لفظِ کفار جو مؤمنین کے مقابلے میں آتا ہے، اس کے

یہ معنی تو معروف ومشہور ہی ہیں، اس کے ایک دوسرے لغوی معنی کاشت کار کے بھی آتے ہیں، اس آیت میں بعض حضرات نے یہی معنی مراد لیے ہیں، اور مطلب آیت کا یہ قرار دیا ہے کہ جس طرح بارش سے کھیتی اور طرح طرح کی نباتات اُگتی ہیں، اور جب وہ ہری بھری ہوتی ہیں، تو کاشت کار اُن سے خوش ہوتا ہے، اور بعض دوسرے حضرات مفسرین نے لفظِ کفار کو اس جگہ بھی معروف معنی میں لیا ہے کہ کافر لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں، اس پر جو یہ اشکال ہے کہ کھیتی ہری بھری دیکھ کر خوش ہونا تو کافر کے ساتھ مخصوص نہیں، مسلمان بھی اس سے خوش ہوتا ہے، اس کا جواب حضرات مفسرین نے یہ دیا ہے کہ مؤمن کی خوشی اور کافر کی خوشی میں بڑا فرق ہے، مؤمن خوش ہوتا تو اس کی فکر کا رُخ حق تعالیٰ کی طرف پھر جاتا ہے، وہ یقین کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی قدرت وحکمت اور رحمت کا نتیجہ ہے، وہ اس چیز کو زندگی کا مقصد نہیں بناتا، پھر اس خوشی کے ساتھ اس کو آخرت کی فکر بھی ہر وقت لگی رہتی ہے؛ اس لیے جو مؤمن ایمان کے تقاضے کو پورا کرتا ہے، دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت پر بھی وہ ایسا خوش اور مگن اور مست نہیں ہوتا جیسا کافر ہوتا ہے؛ اس لیے یہاں خوشی کا اظہار کفار کی طرف منسوب ہے۔

آگے اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کھیتی اور دوسری نباتات پھول پھلواریاں جب ہری بھری ہوتی ہیں، تو سب دیکھنے والے خصوصاً کفار بڑے خوش اور مگن نظر آتے ہیں؛ مگر آخر کار پھر وہ خشک ہونا شروع ہوتی ہے، پہلے زرد پیلی پڑ جاتی ہے، پھر بالکل خشک ہو کر چُورا چُورا ہو جاتی ہے، یہی مثال انسان کی ہے کہ شروع میں تروتازہ حسین خوب صورت ہوتا ہے، بچپن سے جوانی تک کے مراحل اسی حال میں طے کرتا ہے؛ مگر آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ بدن کی تازگی اور حُسن وجمال سب ختم کر دیتا ہے، اور بالآخر مر کر مٹی ہو جاتا ہے، دُنیا کی بے ثباتی اور زوال پذیر ہونے کا بیان فرمانے کے بعد پھر اصل مقصود آخرت کی فکر کی طرف توجہ دلانے کے لیے آخرت کے حال کا ذکر فرمایا:

وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ، یعنی آخرت میں

انسان ان دو حالوں میں سے کسی ایک میں ضرور پہونچے گا، ایک حال کفار کا ہے، اُن کے لیے عذاب شدید ہے، دوسرا حال مؤمنین کا ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے۔

یہاں عذاب کا ذکر پہلے کیا گیا؛ کیوں کہ دنیا میں مست ومغرور ہونا جو پہلی آیات میں مذکور ہے اس کا نتیجہ بھی عذاب شدید ہے، اور عذاب شدید کے مقابلے میں دو چیزیں ارشاد فرمائیں، مغفرت اور رضوان، جس میں اشارہ ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی معافی ایک نعمت ہے جس کے نتیجے میں آدمی عذاب سے بچ جاتا ہے؛ مگر یہاں صرف اتنا ہی نہیں؛ بلکہ عذاب سے بچ کر پھر جنت کی دائمی نعمتوں سے بھی سرفراز ہوتا ہے، جس کا سبب رضوان یعنی حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

اس کے بعد دنیا کی حقیقت کو ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا: **وَمَاالْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْرِ**، یعنی ان سب باتوں کو دیکھنے سمجھنے کے بعد ایک عاقل وبصیر انسان کے لیے اس کے سوا کوئی نتیجہ دنیا کے بارے میں نہیں رہ سکتا، کہ وہ ایک دھوکے کا سرمایہ ہے، اصلی سرمایہ نہیں جو آڑے وقت میں کام آسکے، پھر آخرت کے عذاب وثواب اور دُنیا کی بے ثباتی بیان فرمانے کا لازمی اثر یہ ہونا چاہیے کہ انسان دُنیا کی لذتوں میں منہمک نہ ہو، آخرت کی نعمتوں کی فکر زیادہ کرے اس کا بیان اگلی آیات میں اس طرح آیا: **سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ**، یعنی مسابقت کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف، جس کا عرض آسمان وزمین کے عرض کے برابر ہے۔

مسابقت کرنے سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ عمر اور صحت وقدرت کا کچھ بھروسہ نہیں، نیک اعمال میں سستی اور ٹال مٹول نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی بیماری یا عذر آکر تمھیں اس کام کے قابل نہ چھوڑے، یا موت ہی آجائے، تو حاصل مسابقت کا یہ ہے کہ عجز وضعف اور موت سے مسابقت کرو کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے ایسے اعمال کا ذخیرہ کرلو، جو جنت تک

پہونچانے کا ذریعہ بن سکیں۔

اور مسابقت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نصائح میں فرمایا: کہ ’’تم مسجد میں سب سے پہلے جانے والے اور سب سے آخر میں نکلنے والے بنو‘‘۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ’’جہاد کی صفوف میں سے پہلی صف میں رہنے کے لیے بڑھو‘‘ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ ’’جماعتِ نماز میں پہلی تکبیر میں حاضر رہنے کی کوشش کرو‘‘

(روح)(بحوالہ معارف القرآن:ص۳۱۶/ ج۸)

بہرحال! اخروی زندگی میں کامیابی وسرخ روئی کا مدار ایمان اور نیک اعمال ہیں، اور اللہ کے یہاں مقبول ومعزز شخص وہ ہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو، دنیا کی دولت وجائداد کی زیادتی، آل اولاد کی کثرت انسان کے لیے نفع کا سودا یا کامیابی کی کلید نہیں لہٰذا دین سے بیزار اور منقطع ہوکر خالص دنیاداری کے لیے بھاگنا اور اس کے حصول کے لیے طرح طرح کی ذلت ورُسوائی گوارا کر لینا یہ ایک باشعور مؤمن کامل کا عمل نہیں ہوسکتا، اس کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں تو رہتا ہے؛ لیکن اس کا دل دنیا میں اٹکا نہیں رہتا؛ بلکہ وہ قدم بہ قدم اپنے رب کی طرف متوجہ رہتا ہے، اور دین کے مطابق زندگی گذارنے میں ہی فلاحِ دارین سمجھتا ہے۔

بیکار وقت کھونے کی مذمت

ارشاد فرمایا: کہ بیکار وقت کھونا نہایت بُرا ہے، اگر کچھ بھی کام نہ ہو، انسان گھر کے کام میں لگ جائے۔ گھر کے کام میں لگنے سے دل بھی بہلتا ہے، اور عبادت بھی ہے، یہ مجمعوں میں بیٹھنا خطرے سے خالی نہیں۔ کسی کی حکایت، کسی کی شکایت اور بعض دفعہ غیبت تک نوبت آجاتی ہے۔ اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

(ارشاداتِ حکیم الامت: ص ۳۸۷)

(تعلیم الحدیث) ذکر اللہ کی عظمت اور اس کی برکات

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہٗ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِي طَرِيْقِ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلٰى جَبَلٍ يُقَالُ لَهُ جُمْدَانُ فَقَالَ سِيْرُوا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ الذّٰكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرَاتِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لیے جا رہے تھے۔ راستے میں جُمدان نامی پہاڑ پر سے گذر ہوا، اتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پہاڑ جُمدان ہے، مُفَرِّدُوْن سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا: مُفَرِّدُوْن کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے، متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصے پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے، اُس کا شعور و احساس اس حصۂ زمین کو ہوتا ہے؛ چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گذرا؟ جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گذرا، تو وہ کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو، مبارک ہو! معلوم ہوتا ہے کہ جمدان پہاڑ پر سے گذرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں، اُنھوں نے قبول و رضا کے بڑے مقامات حاصل کر لیے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ نے یہ بات فرمائی کہ "مُفَرِّدُوْن" یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گیے۔ "مُفَرِّدُوْن" کے لغوی معنٰی ہیں اپنے کو سب سے الگ اور اکیلا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی اُلجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اکیلے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقام تفرید ہے، اور یہ قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں "تَبَتُّل" ہے (وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا) پس "اَلذّٰكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَات" کے مصداق وہی بندے ہیں، جن کا یہ حال ہوا اور جنھوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہٗ کو اپنا قبلۂ مقصود بنا لیا ہو۔ (معارف الحدیث: ج۵ ص: ۳۳)

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہٗ

دارُ العلوم دیو بند کے مؤقر اُستاذ حدیث وادب اور نائب مہتمم، اُستاذ الاساتذہ حضرت اقدس مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ نے گذشتہ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ عصر سے قبل داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اُسی دن رات میں دارُ العلوم کے احاطہ مولسری میں مہتمم دارُ العلوم حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، جس میں ہزاروں علماء اور عوام نے شرکت کی، بعدازاں ''قبرستان قاسمی'' میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللّٰہ رحمۃً وّاسعۃً۔

حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ نہایت شریف الطبع، مسکین صفت، متواضع اور بہت ہی شفیق اُستاذ تھے، نرم خوئی اور خوردنوازی آپ کی جبلّت میں داخل تھی، مزاج و مذاق میں ادب کی حلاوت اور چاشنی ہر اُس شخص کو محسوس ہوتی تھی، جو آپ کی صحبت میں کچھ دیر بھی حاضر رہنے کی سعادت حاصل کرتا تھا، حلم ووقار میں بھی آپ بہت ممتاز تھے، دل کے صاف اور زبان میں محتاط تھے۔ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی ایسی عزت سے پیش آتے کہ شرم آنے لگتی تھی۔ طلبہ کے ساتھ ہم دردی اور خیر خواہی کمال کے درجہ کی تھی، ذاتی طور پر بھی اُن کی تربیت اور نگرانی میں کوئی دریغ نہ فرماتے تھے۔ لباس عام طور پر سفید اور سر پر رومال ڈالنے کی عادت تھی، جس سے شخصیت کی دل آویزی میں اضافہ ہوجاتا تھا۔

آپ اپنے تلامذہ کی حوصلہ افزائی میں ممتاز تھے، نہ جانے کتنے رسائل اور کتابوں پر آپ کی تقریظات نوعمر مصنفین کی ہمت افزائی کا سبب بنتی تھیں۔ اسی طرح جو فضلائے مدارس میں تدریسی خدمات کے اُمیدوار ہوتے تھے، اُن کے لیے کسی بھی طرح کی سفارشی تحریر لکھنے میں آپ کو کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔ آپ ایسے طلبہ پر نظر رکھتے تھے جو ملازمت کے

خواہش مند ہوں، نیز اپنے زیر اثر مدارس کے ذمے داروں کو بھی ہونہار طلبہ کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

آپ ملک کے طول وعرض میں بے شمار مدارس کے عملاً سرپرست تھے، اوران کے متعلق اُمور میں برابر دل چسپی لیتے تھے، اور مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے۔

حضرت الاستاذ راقم الحروف مرتب پر بے انتہا مہربان تھے، احقر نے حضرت سے ''اُصول الشاشی'' اور ''دیوانِ متنبیؔ'' پڑھنے کی سعادت حاصل کی، آپ کے پڑھانے کا انداز نرالا اور دل چسپ تھا، آپ کو اُردو اور عربی اَدب پر کامل دست گاہ حاصل تھی۔

احقر کو متعدد بار اصلاحی اَسفار میں حضرت کے ساتھ رہنا نصیب ہوا، تو آپ کا رویہ نہایت بے تکلفانہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ غالباً ۱۹۹۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کے ''اصلاحِ معاشرہ پروگرام'' کے تحت صوبہ مہاراشٹر کا دس روزہ سفر ہوا، جو ناگپور سے شروع ہو کر امراؤتی، آکولہ، ناندیڑ اور اورنگ آباد ہوتے ہوئے مالیگاؤں پر ختم ہوا، ہر جگہ آپ کی مؤثر تقریریں ہوتیں، جو حاضرین پر بہت اثر انداز ہوتی تھیں، اکثر خطاب کے دوران آپ اپنے منفرد انداز میں یہ اشعار پڑھتے تھے، جو آج کل بھی کانوں میں گونج رہا ہے:

زندگی ہورہی ہے مثلِ برف کم

رفتہ رفتہ، دھیرے دھیرے دَم بہ دم

آپ کا خطاب دل چسپی سے بھرپور اور ادبی چاشنی سے معمور ہوتا تھا، جس سے سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔

مختصر حالاتِ زندگی

حضرت مولانا موصوف کی پیدائش ۱۹۵۰ء میں وطن مالوف سنبھل میں ہوئی، ابتدائی تعلیم ''مدرسہ وحید المدارس'' سرائے ترین سنبھل میں حاصل کی، بعد اَزاں ''مدرسہ شمس العلوم'' داخل ہوئے، آپ کے خاص اَساتذہ میں حضرت مولانا آفتاب علی خان صاحبؒ تھے، جو

سرائے ترین جامع مسجد کے خطیب اور بڑے جلیل القدر اور جید الاستعداد عالم دین تھے، جسمانی معذوری کے باوجود مرجع خاص وعام تھے۔آپ نے ابتداء سے ''شرح جامی'' تک کی تعلیم حضرت مفتی صاحب موصوفؒ سے ہی حاصل کی، جب کہ حضرت قاری فرید الدین صاحبؒ سے حفظ قرآنِ کریم کی تکمیل کی۔

بعد اَزاں ۱۹۶۸ء دارُ العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور ۱۹۷۲ء مطابق ۱۳۹۲ھ میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت ہوئی۔یہاں کے اساتذہ میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا شریف الحسن صاحب قابل ذِکر ہیں۔نیز آپ نے فراغت کے بعد ایک سال دیوبند ہی میں رہ کر اَدیب العصر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ سے عربی اَدب میں مہارت حاصل کی۔

۱۹۷۳ء سے آپ نے مغربی یوپی کے معروف ادارے ''جامعہ خادم الاسلام ہاپوڑ'' میں تدریسی خدمات انجام دینی شروع کیں، یہ سلسلہ چھ سال تک جاری رہا، اور آپ نے یہاں ابتداء سے اعلیٰ درجات تک کی کتابیں بہت نیک نامی کے ساتھ پڑھائیں۔بعدازاں آپ ۱۹۷۹ء میں ''جامع الہدیٰ مرادآباد'' سے وابستہ ہوے، پھر ۱۹۸۲ء میں دارُ العلوم دیوبند تشریف لے آئے، اور تادمِ آخر اسی خدمت میں پوری دل جمعی سے لگے رہے۔ناظم دارُ الاقامہ، امتحانات میں ناظم طباعت اور اخیر میں تقریباً دس سال آپ نے نیابت اہتمام کی ذمے داری بہ حسن وخوبی انجام دی، ہر ایک شخص کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت شریفانہ ہوتا تھا، آپ کی خوش خلقی اور حلم وبردباری مثالی تھی۔

آپ تصنیف وتالیف کا بھی صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے، ردّ مودودیت پر پانچ حصوں پر مشتمل آپ کا محاضرہ شائع شدہ ہے اور مقبول ہے۔علاوہ اَزیں آپ نے شیخ عبد المجید الزندانی الیمنیؒ کی ''کتاب التوحید'' کا اُردو میں ترجمہ کیا جو پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔نیز''

فتاویٰ عالمگیری‘‘ کے بعض اجزاء کا بھی اُردو ترجمہ کیا ہے۔

آپ متعلقین کی دعوت پر اصلاحی ودعوتی پروگراموں میں شرکت کے لیے حسبِ موقع ملک کے طول وعرض کے اسفار فرماتے تھے۔نیز جمعیۃ علماء ہند کے پروگراموں میں بھی اہتمام سے شریک ہوتے تھے۔

آپ کی طبیعت رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۱ء کے اواخر سے مضمحل ہونی شروع ہوئی،اولاً ’’یرقان‘‘ کا مرض تشخیص ہوا،اس کا علاج چلتا رہا،جب تکلیف بڑھی تو دلی کے بڑے اسپتال ’’راجیوگاندھی ریسرچ سینٹر‘‘ میں دکھایا گیا،وہاں کی جانچ سے موذی مرض کی تشخیص ہوئی؛مگر بدن اس کے علاج کا متحمل نہ تھا؛اس لیے گھر واپس لاکر علاج چلتا رہا؛تاہم کمزوری اورنقاہت بڑھتی رہی،بالآخر وقتِ موعود آپہنچا اورآپ اپنے نیک اعمال کا بڑا ذخیرہ لے کر جمعہ کے مبارک دن اپنے خالق ومالک ارحم الراحمین کے دربار میں حاضر ہوگئے،**رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً**۔

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کے درجات بے حد بلند فرمائیں،پسماندگان کوصبرجمیل سے نوازیں،اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائیں،آمین۔

(حضرت کے متعلق احوال ’’تاریخ سنبھل‘‘ مؤلفہ:مولانا عبدالمعید سنبھلی مدظلہم سے ماخوذ ہیں)

خرچ کا نظام

ارشادفرمایا: کہ اس زمانے میں خصوصاً سخت ضرورت ہے کہ مسلمان فکر سے کام لیں،اورخرچ سوچ سمجھ کر کیا کریں،جس کا نظام میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ خرچ کرنے سے قبل کم ازکم تین مرتبہ سوچ لیا کریں کہ جوہم خرچ کرنا چاہتے ہیں کیا یہ خرچ ایسا ضروری ہے کہ بدون اس کے کوئی ضرر ہوگا؟ جہاں یہ تحقیق ہوجائے اس کوضروری سمجھیں،پھر یہ سوچیں کہ کیا اتنا ہی خرچ ہونا چاہیے یا اس سے کم میں بھی کام چل سکتا ہے؟ایسا کرنے سے چندروز تو تعب ہوگا؛کیوں کہ طبیعتیں اس کی عادی اورخوگر نہیں۔اس کے بعد سہولت سے مداومت کے ساتھ اس پرعمل ہونے لگے گا۔خلاصہ یہ کہ فکر اور انتظام بڑی ضروری چیزیں ہیں اور بےفکری اور بدانتظامی نہایت مضر ہیں۔

(ارشاداتِ حکیم الامت:ص۴۹۰)

عرش گیر بھی، خاک نشین بھی

اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی علیہ الرحمہ

اُستاذِ حدیث و نائب مہتمم دارُ العلوم دیو بند

(۱۵/ ربیع الاول ۱۳۶۹ جنوری ۱۹۵۰-۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ ۳۰/ جولائی ۲۰۲۱ء)

مولانا محمد فہیم الدین بجنوری قاسمی
اُستاذ دارُ العلوم دیو بند

حامداو مصلیاً أما بعد!

''نخلِ اسلام'' سے قدیم ومعتبر شاخوں کی جدائی کا سلسلہ جاری ہے، پیہم حوادثِ رحلت نے ایک عبوری مرحلے کی صورت پیدا کر دی ہے، جس میں نئی شاخوں کو بار آوری کے ان بلند پیمانوں کا چیلنج درپیش ہے جو رُخصت پذیر اکابر کی بیش بہا وراثت ہے، یہی وہ وقت ہے، جب ''انتقالِ نسبت'' کی کرامت وروایت سے بہت اُمیدیں وابستہ ہیں۔

اُستاذِ گرامی حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی علیہ الرحمہ کی رشکِ عام وخاص صحت، نظرِ بد کی زد میں اسی وقت آگئی تھی، جب وہ ڈیڑھ سال قبل محلّہ خان قاہ میں، ایک دعوت سے واپسی پر گر گئے تھے۔ سن رسیدہ ہڈیاں، ایسے حوادث کی متحمل نہیں ہوتیں، تاہم جنھوں نے پیرانہ سالی میں آپ کی برق رفتاری دیکھی تھی، وہ بحالی کے تئیں پُر اُمید تھے؛ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! آرام وعلاج کا دراز تر دورانیہ، بحالی میں ناکام رہا، اور صحت وتوانائی میں تغیر کا یہ نقطۂ آغاز ایک سست گام جاں گسل بہا ثابت ہوا، اور آخرش ہم ایک ہمہ نعمت اُستاذ سے محروم ہوگئے، "إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون" اللّٰھم اغفر لہ، وارحمہ، وأسکنہ فسیح جناتک، وأنزل الصبر والسلوان علی ذویہ، آمین یارب العالمین.

بے شک وہ زیر زمیں آسودۂ خواب ہوگئے؛ لیکن ان کے خاص انداز وادا کی حسین

وپاکیزہ یادیں، آنکھوں کے کیمرے میں محفوظ ہیں، سفید رومال کے جلو یں نور بکھیرتے ہوے، ثانویہ کے خالی میدان کو عبور کرنا، دھن اور لگن میں ڈوبی ہوئی وہ تیز گامی سامنے کی جانب مائل مسنون چال، گویا ڈھلوان زمین میں اُتر رہے ہوں، رواں دواں مختصر مسافت میں سلام ومزاج پُرسی وخندہ روئی سے راہ کے ملاقاتیوں کی دل داری، یہ وہ نقوش ہیں جن سے یہاں کی فضامدتوں معمور وشاداب رہے گی۔

صحت کے حوالے سے وہ رشکِ معاصرین تھے، فرمانے لگے کہ میں نے شگر کی جانچ کا ارادہ کیا تھا؛ لیکن ایک عزیز ڈاکٹر نے یہ کہہ کر روک دیا کہ آپ روزانہ جتنا اور جس طرح چلتے ہیں، اس نے شگر کی راہ پیشتر ہی مسدود کی ہوئی ہے، بےفکر رہیں آپ کو شگر نہیں ہوگی، ایک حدتک یہ قیاس درست تھا کہ آپ کو شگر کا عارضہ اخیر ایام میں لاحق ہوا۔

ایک نوخیز مصنف، اپنی شاندار تصنیف پر تقریظ لکھوانے کے خواہاں ہوے، مجھے واسطہ بنایا، تقریظ عنایت فرمائی، تو میں نے القاب میں ''مسند نشینِ اکابر'' لکھ دیا، ظاہر ہے کہ مذکورہ لقب بیان واقعہ کی سچی تعبیر تھی؛ لیکن ان کو یہ زائدو ناگوار گذرا۔

تواضع اور بےنفسی میں وہ یکتائے روزگار تھے، طبعی شرافت نے اس کو سوا کیا ہوا تھا، بعض مواقع پر کم توفیق خردوں کو جری دیکھا گیا؛ لیکن آپ کے ردّعمل نے کبھی شرافت کی حد سے تجاوز نہیں کیا، وہ مثبت فضا کا استعارہ تھا، منفی حرکتوں کی خوش گوار تاویل میں وہ کہیں تک بھی جا سکتے تھے؛ چناں چہ طالبِ علموں کے مابین کنکری کے خفیہ دبادلے میں ایک کنکری حضرت علیہ الرحمہ تک پہنچ گئی تھی، تو اس کا برجستہ جواب وضع کرتے ہوے فرمایا: ''کنکری شاید چھت سے گرگئی ہے''۔

اسلام کی عملی زندگی کی کسوٹی اخلاق ہے، صانع خلائق نے اس دولت سے حظ وافر عنایت فرمایا تھا، آپ کا رہن سہن، بودوباش، آمدورفت، نشست وبرخاست، غرض جملہ سرگرمیاں، حسن اخلاق کی زینت سے آراستہ تھیں۔

طلبہ کے علمی و تعلیمی مشاغل کی سرپرستی کے لیے، وہ اب بھی وقت نکال لیتے تھے، ضلعی انجمنوں کی رونق بڑھانے میں بھی ان کو تکلف نہیں تھا، بجنور کی انجمن تہذیب الاخلاق کے وہ با قاعدہ سرپرست تھے، یہ ذمے داری ہمیشہ عملی حصے داری سے آراستہ رہی، آغازِ سال میں انتخابی نشست کی تشریف آوری ہی سے طلبۂ بجنور کو خاص عنایت کا احساس دلا دیتے تھے، انتخاب کے بعد پھر سال بھر ذمے دارانِ انجمن کے خاکوں کو ملاحظہ فرماتے اور ضروری رہنمائی بھی کرتے، شرکائے انجمن کی باہمی شکر رنجیوں کے ازالے میں اپنی شریں تدابیر سے بھی دریغ نہ کرتے۔

جملوں اور تعبیرات کے بادشاہ تھے، اس ضمن میں ان کے نوادرات کا ایک سرمایہ ہے، جس کا بیشتر حصہ ان کے رسا ذہن اور ذوقِ خاص کا رہین احسان ہے، یہ خانہ زاد لطائف ، درس کی اُکتاہٹ، مجلس کی بوریت ، سفر کے توحش اور جلسوں کی بیزاری کا تریاق تھے، جن کے بروقت استعمال میں تخفف ممکن نہیں تھا، پھر ان کا انداز اس لطف کو دوآتشہ کر دیتا تھا؛ یہ اس باب میں ان کے تفنن کا مظہر ہے کہ تکرار بھی خوش گوار سمجھا گیا۔

''کمرہ'' ان کے نزدیک ''کم'' اور ''رہ'' سے مرکب تھا ''ناشتے'' کی اصل میں ''نان داشتہ'' کی تحقیق تھی، ''خواتین'' میں ''خواچار'' وغیرہ قیاس روا تھا، ''بازار'' کی تنقیح ''باز آ'' سے کرتے تھے، ''ڑ'' کا لاحقہ استعارۂ زیاں تھا، ہم قافیہ الفاظ ، ہم آہنگ فقرے، پُرتکلف نثر اور رنگین عبارت اُن کے تخاطب کی شناخت تھی، درس ، خطاب، تکلم ، غرض ہر ماحول اسی افتاد کا مظہر تھا، پھر خطاب کا زیر و بم معانی کے نشیب و فراز اور شیریں بیانی میں شعلہ بیانی کا امتزاج ایک الگ ہی سماں پیدا کرتا تھا۔

وہ نفع رسانی کی کسوٹی میں خیر الناس واقع ہوے، ہمہ وقت ہر کس و ناکس کی رسائی میں رہے، اُن کے جو تصورات تا دیر نقش رہیں گے، ان میں درِ دولت پر طالبِ حاجت کی دادرسی میں کھڑے رہنا نمایاں ترین ہے، ان کو جاننے اور دیکھنے والے ابھی ظاہری آنکھوں کو ان کی

یاد میں بند کریں تو چنیدہ مواقع پر وہ بہ آسانی ملیں گے، ان میں آپ کا دروازہ سرفہرست ہے، اس چوکھٹ نے رابطہ کاروں کا وہ سلسلہ دیکھا ہے، جو حدود و قیود سے بے نیاز رہا۔

ان کے سینے میں ادیب کا دل دھڑکتا تھا، ادبی ذوق نے اسے ہمیشہ شاداب، تازہ باذوق رکھا، یہ زندہ دلی ان کی سرگرمیوں کا جز ولاینفک تھی، اس خصوصیت نے آپ کے سلسلۂ درس کو باغ و بہار بنایا، جملوں اور تعبیرات کے علاوہ ان کو اشعار بھی خوب ازبر تھے، ان کے برمحل حوالوں نے طالبان علم و ادب کو خوب فیض یاب کیا، اور ترنم کی نغمگی نے لطف اندوز بھی کیا۔

وہ ہر ادا میں الگ تھے، اور ان کی ہر ادا دل کش تھی؛ حتیٰ کہ لغوی تحقیق کے املا میں بھی ان کا طرز جداگانہ تھا، غرض! انھوں نے ہر کام میں اپنی راہ خود وضع کی اور پھر اسی رنگ میں ڈوب کر منزلیں طے کیں؛ تا آں کہ جب شب شنبہ انسانوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر ان کو آخری سلامی دے رہا تھا، تو مادرِ علمی کے ذرے ذرے میں ان کے نقوش و آثار ہویدا رونمایاں تھے۔

اقوالِ زریں

ارشاد فرمایا: طلبہ ہماری کھیتی ہیں، ہم ان کے قلوب میں اگر محبت اور تعلق مع اللہ اور خشیت اور اتباع سنت کے درخت نہ لگائیں گے تو دوسرے صحرائی خاردار درخت نکلیں گے۔ پھر رونا پڑتا ہے کہ آج فلاں طالبِ علم نے فلاں اُستاذ کو گالی دے دی، فلاں نے فلاں کی پٹائی کر دی۔ آہ! ان طلبہ کو تو سو فیصد اولیاء کرام ہونا چاہیے تھا، اور جو بے عمل اور بے اصول طلبہ ہوں، اُنھیں فوراً نکال دینا چاہیے تھا۔

درخت کی جو شاخ خراب ہو، باغبان کی ڈیوٹی اور ذمے داری ہے کہ اسے کاٹ کر پھینک دے۔ مقصود طلبہ کی تعداد ہے نہ کہ عمارت، کام کے اگر چند بھی نکلیں گے تو غلغلہ (شور) مچا دیں گے۔ (مجالس ابرار: ۷۷)

علم وعمل کے نیر تاباں کی رحلت

مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی

آج ۳۰ر جولائی ۲۰۲۱ء روز جمعہ اچانک یہ خبر صاعقہ بن کر گری کہ استاذ الاساتذہ، دار العلوم دیوبند کے مقبول ترین استاذ اور نائب مہتمم حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی (رحمہ اللہ) طویل علالت کے بعد اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔ ”إنّا للّٰہ وانا إلیہ راجعون“

یہ دنیا چند روز ہے، اس کی کوئی بھی چیز باقی رہنے والی نہیں ہے جو بھی یہاں آیا ہے اسے کوچ کرنا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ“ (العنکبوت: ۵۷)۔ انسان کا جب وقت پورا ہو جاتا ہے تو لاکھ کوششوں کے باوجود آنے والے وقت کو ٹالا نہیں جا سکتا، فرمان خداوندی ہے: ”إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ إِذَاجَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ“ (نوح: ۴)، اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے: ”وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَايَسْتَقْدِمُوْنَ“ (الأعراف: ۳۴)۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

آج وہ کل ہماری باری ہے
موت سے کس کو رستگاری ہے

موت زندوں اور مردوں کے درمیان دیوار حائل کر دیتی ہے، جانے والا اپنا وقت مقررہ پورا کر کے چلا جاتا ہے؛ مگر جو لوگ رہ جاتے ہیں اُنھیں یہ پیغام دیتا ہے کہ دنیا کی زندگی عارضی زندگی ہے اس پر بھروسہ کرنا بہت بڑے خسارے کا سبب ہوگا، اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

”قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ، وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى“ (النساء: ۷۷) کہ دنیا کی زندگی تھوڑی ہے اور آخرت بہتر ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ہے۔

حضرت الاستاذ کی وفات نے قلب کو مضطرب اور دل کو غمگین کر دیا، اور آنکھیں اشک

بار ہو گئیں، گذشتہ تین ماہ کے دوران میں دار العلوم دیو بند کے چوٹی کے تین اُستاذ رخصت ہوے تھے، اب یہ چوتھا حادثہ ہے۔

حضرت الاستاذ نے ایک قابل رشک زندگی گذاری، وہ پوری زندگی درس وتدریس سے وابستہ رہے، تقریباً نصف صدی تک اپنے علم وادب کے فیضان سے ایک جہان کو سیراب کرتے رہے۔

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

حضرت مولانا کی ولادت ضلع مرادآباد کے قصبہ سنبھل میں ۴؍جنوری ۱۹۵۰ء/ ۱۳۷۰ھ کو ہوئی، اب تو سنبھل بھی ضلع بن گیا ہے، اس وقت ایک قصبہ تھا۔ آپ کے والد صاحب کا نام نصیر احمد تھا، جو نہایت متقی، خوش اطوار، خوش اخلاق، خوش مزاج، رقیق القلب، انتہائی متواضع، سادگی پسند اور تمکنت سے خالی انسان تھے، اور خوش گو شاعر تھے، انہی اوصاف حمیدہ واخلاق عالیہ کے ساتھ آپ کی پرورش کی، جس کا اثر پوری زندگی آپ کی شخصیت میں نمایاں تھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم سرائے ترین محلّہ کے مدرسہ وحید المدارس سے شروع ہوئی، جہاں حضرت مفتی آفتاب علی صاحب رحمہ اللہ کا علمی فیضان جاری تھا، اس کے کچھ دنوں بعد جب حضرت مفتی صاحب مدرسہ شمس العلوم منتقل ہو گیے تو آپ بھی ان کے ساتھ وہاں چلے گیے، اور وہیں حفظ قرآن کریم کیا اور پھر عربی کی تعلیم شروع کی اور شرح جامی تک وہاں تعلیم حاصل کی۔ شرح جامی تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے از ہر ہند دار العلوم دیو بند کے لیے رخت سفر باندھا، اور شوال ۱۳۸۸ھ (دسمبر ۱۹۶۹ء) میں دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے، چار سال رہ کر اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کا خوب سامان کیا، دار العلوم کے ذہین اور ممتاز طلباء میں آپ کا شمار تھا، وہاں پر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی سے بھی خاص استفادہ کیا، اس دوران مختلف اساتذہ کرام کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، جن میں حضرت شیخ نصیر

احمد خان صاحب اور حضرت مولانا سالم صاحب رحمہا اللہ کی شخصیت شامل ہے، آپ کے دورہ حدیث کے اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآباری رحمہ اللہ تھے جو بخاری شریف پڑھاتے تھے، جن کے درس بخاری کی ایک زمانے تک شہرت رہی ہے، مگر حضرت زندگی کے آخری مرحلے میں تھے اور باب کیف کان بدء الوحی پڑھا کر وطن گیے اور پھر واپس نہیں آ سکے، اور انتقال ہو گیا۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب ترمذی اور مولانا شریف حسن صاحب دیوبندی مسلم شریف پڑھاتے تھے، ان دونوں بزرگوں میں سے ایک کو بخاری شریف پڑھانی تھی ؛مگر شوریٰ کے فیصلے تک قرعۂ فال حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام نکلا، یہ آپ کی اور آپ کے رفقاء کی خوش نصیبی تھی کہ حضرت قاری صاحب سے بخاری شریف پڑھنے کا موقع ملا، حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ بخاری شریف اس انداز سے پڑھاتے تھے کہ طلبہ عش عش کرتے تھے، ان کے درس میں بیٹھنے والا ہر طالب علم بتا سکتا ہے کہ حکیم الاسلام لقب کا حق دار واقعی انہی کی ذات گرامی تھی۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب استاذ الاساتذہ تھے ان کا درس کسی زمانے میں بہت مشہور تھا، اس وقت ترمذی شریف میں معرکۃ الآرا مسائل پڑھانے کے بعد ایک خاص انداز میں آستین چڑھاتے ہوے فرمایا کرتے تھے، ”**من ادعی غیر ذالک فعلیه البیان** ،طلبہ جھوم اُٹھتے تھے؛ لیکن عمر کی زیادتی اور نقاہت ونسیان کی وجہ سے، بجائے ان کے حضرت مولانا شریف حسن صاحب دیوبندیؒ کو بخاری شریف ملی اور آپ نے واقعی اس کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے جلد ثانی فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ اور دیگر اساتذہ فن سے حدیث کی کتابیں پڑھ کر شعبان ۱۳۹۲ھ (ستمبر ۱۹۷۲ء) میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اسی طرح حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے سنن ابن ماجہ پڑھی تھی۔ اس کے بعد ایک سال

تکمیل ادب میں داخل ہوکر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی رحمہ اللہ سے خصوصی استفادہ کیا۔دوران درس اکثر حضرت کیرانوی کے واقعات آپ سناتے تھے۔

آپ کے رفقاے درس میں مولانا نثار احمد صاحب قاسمی بستوی،مولانا بدر الحسن صاحب دربھنگوی، مولانا احمد سجاد قاسمی صاحب ابن حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی، مولانا عبد الرب صاحب اعظمی (موجودہ صدر جمعیۃ علماء یوپی) مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ،مولانا فضل حق خیرآبادی،مولانا ابوالعاص بستوی،مولانا فضل احمد دربھنگوی،مولانا ڈاکٹر نسیم احمد نیپالی،مولانا عبد المعبود دربھنگوی،مولانا عرشی بستوی اور مولانا محمد عثمان اعظمی پورہ معروف (جو اس وقت آسام کے کسی مدرسے میں شیخ الحدیث ہیں) وغیرہ تھے۔

تدریسی خدمات

دارُالعلوم سے فراغت کے بعد شوال ۱۳۹۳ھ سے زندگی کی آخری سانس تک لاک ڈاؤن سے پہلے تک بغیر کسی انقطاع کے تدریسی خدمات انجام دی۔فراغت کے بعد ۱۹۷۳ء سے چھ سال تک مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں جامع الہدیٰ مرادآباد تشریف لائے، جہاں تقریبا تین سال تک درس دیا،اورآخر میں ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف آوری ہوئی، جہاں پورے زوروشور کے ساتھ آپ کے علوم ومعارف کا فیضان جاری وساری رہا، ۲۰۰۸ء/ ۱۴۲۹ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم بنایا گیا،جس پر اخیر تک آپ قائم رہے۔آپ نے اس دوران مختلف کتابوں کا درس دیا آخر میں ''سنن ابن ماجہ'' اور ''ہدایہ'' وغیرہ آپ سے متعلق تھیں، میں جس سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تو حضرت کا ہفتم ثالثہ میں گھنٹہ تھا، اس سال آپ سے استفادے کا موقع نہیں ملا؛لیکن جب ۱۴۲۳ھ میں تکمیل ادب میں داخل ہوا تو اس سال طلبہ کی تعداد زیادہ تھی جس کی وجہ سے دو ترتیب بن گئی،آپ ہماری ترتیب میں انشاء کی مشق کراتے تھے،اس دوران مختلف اخبارات کا ترجمہ کراتے اور اس طرح رہنمائی فرماتے

کہ کند ذہن طالب علم بھی لکھنے پر قادر ہو جاتا۔

حضرت مولانا کو درس نظامی کتابوں پر مکمل عبور تھا جس کتاب کا بھی درس آپ سے متعلق ہوتا آپ اس کا حق ادا کر دیتے، یہی وجہ تھی آپ کے درس کو طلبہ کے درمیان مقبولیت حاصل تھی۔ اس عرصہ میں نہ جانے کتنے مس خام آپ کی نگاہِ کیمیا اثر کے فیض سے کندن بن چکے ہوں گے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے، دارالعلوم دیوبند میں تقریباً انتالیس سال کے عرصہ میں بہت سے ایسے طلبہ آپ سے استفادہ کر کے نکلے جو آج اپنے اپنے علاقوں میں کامیاب مدرس ہیں۔

آپ بہت عمدہ لکھتے تھے، آپ کی تحریر صاف، شستہ اور ادب کا شاہ کار ہوتی تھیں، جس کا اندازہ مختلف کتابوں پر لکھے گیے مقدمات وتقریظات سے ہوتا ہے، نیز آپ کے محاضرات جو رد مودودیت پر ہیں اس کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آپ ایک بہترین مترجم بھی تھے، فتاویٰ عالمگیری کے جزء پندرہ کتاب الایمان کا ترجمہ آپ نے کیا، اسی طرح عبدالمجید زندانی یمنی کی کتاب التوحید کا بھی آپ نے ترجمہ کیا ہے۔

آپ بہت سی خوبیوں کے حامل تھے، پوری زندگی درس وتدریس سے وابستگی کے ساتھ علاقے میں رشد وہدایت کا عمل بھی جاری تھا اور اس کے لیے مختلف جلسوں میں شرکت فرماتے تھے، آپ نے ملک کے طول وعرض میں پھیلے مختلف مدارس کے اصلاحی جلسوں میں شرکت فرمائی اور آپ کی تقریریں بہت پسند کی جاتی تھیں۔

اس کے علاوہ طلبہ مدارس کی انجمن کے جلسوں میں بطور خاص آپ کو مدعو کیا جاتا جس سے طلبہ بہت مستفید ہوتے تھے۔ ۲۰۰۶ء کے بعد سے جب بھی دیوبند جانا ہوتا، تو کوشش ہوتی کہ آپ سے ملاقات ہو جائے، آپ اپنے شاگردوں سے بہت محبت فرماتے تھے، اگر راہ چلتے بھی ملاقات ہو جاتی تو رک کر تفصیلی احوال معلوم کرتے، مجھ سے ایک ملاقات میں تفصیل سے حالات معلوم کیے، کیا کرتے ہیں اور کونسی کتابیں پڑھاتے ہیں یہ سب معلوم کرتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔

آپ کچھ عرصہ سے مختلف بیماریوں اورعوارض میں مبتلا تھے،دواعلاج جاری تھا کبھی افاقہ ہوجاتا،کبھی مرض میں شدت آجاتی،کچھ دنوں قبل تھوڑا بہت افاقہ بھی ہوگیا تھا اور طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی تھی،کل شام کواچانک معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے اور مظفرنگر لے جایا جارہا ہے،علاج کی ہر ممکن کوشش کی گئی؛ مگر وقت موعود آپہنچا تھا،بالآخر ۳۰/جولائی ۲۰۲۱ء کودن میں بعدنمازجمعہ جان جاں آفریں کے سپرد کردی،رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً.

اوراپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں اور چاہنے والوں کوروتا بلکتا چھوڑ کر چلے گیے جوآپ کے لیےصدقہ جاریہ ہیں،قیامت تک اس کاثواب آپ کوپہنچتا رہےگا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلندفرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطافرمائے۔ اورپسماندگان ومنتسبین کوصبر جمیل عطافرمائے اوردارالعلوم دیوبندکونعم البدل عطافرمائے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت

’’مدارس میں دوچیزوں کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ایک تعلیم کی کہ جس سے علم پہنچے،اور دوسری تربیت کی کہ جس سے اخلاق درست ہوں،اگر تعلیم محض رہ گئی تو علم آجائے گا،اوراخلاق نہیں آئیں گے،تووہ علم وبالِ جان بن جائے گا،اوراگراخلاق تو درست ہوگئے؛لیکن علم نہ آیاتو وہ جاہلانہ افعال سرزد ہوں گے،اس سے منکرات وبدعات سرزد ہوں گے،اور یہ دونوں صورتیں تباہی کی ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ علم واخلاق دونوں جب تک جمع نہ ہوں تو کام چلنے والانہیں ہے۔

شریعتِ اسلامی نے جس طرح شریعت اور دین کےعلم کی طرف توجہ دلائی ہے؛اسی طرح سے اَبدان کاعلم اورضروریاتِ زندگی کے علوم ......مثلاً سائنس اورفلسفہ وغیرہ کی طرف بھی توجہ دلائی ہے،فرق صرف اتنا ہے کہ ادیان کاعلم اصل مقصود ہےاوراَبدان کاعلم اس کے لیے ذریعہ اور وسیلہ قراردیا گیاہے۔اوران دونوں کا مقصد معرفتِ خداوندی ہے‘‘۔

(حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ بہ حوالہ جواہر حکمت)

منصبِ تدریس اور اس کی ذمے داریاں (قسط۱۲)

ابوخدیجہ

معاشرتی آداب واُصول سے غفلت: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دور دورِ انحطاط ہے دینی مدارس کے مدرسین و معلّمین کی جماعت ہو، یا کسی خانقاہ سے منسلک مریدین ومسترشدین کا حلقہ ہو، معاشرتی اُصول وآداب سے یکسر غفلت ہے؛ بلکہ بیشتر لوگ اس موضوع سے ناواقف اور بے خبر ہیں، اُنھیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ آدابِ معاشرت بھی کوئی چیز ہے، مدرس ہوے ایک لمبا عرصہ گذر گیا، دس، پندرہ سال سے شعبہ حفظ کے مدرس ہیں؛ لیکن اُصولِ معاشرت جانتے ہی نہیں ابھی گذشتہ ماہ کا تازہ واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں جامعہ بلاس پور میں شعبۂ تحفیظ میں دو اُستاذوں کے تقرر کا مرحلہ تھا، واٹسپ کے ذریعہ یہ اعلان نشر کیا گیا:

''شعبۂ تحفیظ کے لیے ایک ایسے باصلاحیت استاذ کی ضرورت ہے، جو کسی معتبر ادارے سے فارغ ہوں، اور کم از کم پانچ سال کا درجہ حفظ کا تجربہ رکھتے ہوں، تنخواہ معقول پیش کی جائیگی....خواہش مند حضرات درج ذیل نمبرات پر درخواست کے ساتھ ۱۰/محرم ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۰/اگست ۲۰۲۱ء جمعہ کی شام تک اپنی اسناد بھی ارسال فرمائیں۔

اس تحریر کو دیکھ کر کئی دنوں تک فون کا سلسلہ جاری رہا، اس میں تدریس کے لیے تقرر کے خواہش مند حضرات نے جس انداز والفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا، وہ حیران کن اور افسوس کا باعث بنا کہ جب مدرسین کا یہ حال ہوگا کہ اُنھیں گفتگو تک کا سلیقہ وشعور نہیں، تو شاگردوں کو کیا سلیقہ سکھائیں گے؟ اور کیا تربیت دیں گے؟......

بہ طورِ نمونہ چند مدرسین حضرات کے الفاظ اور جملے ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں

جو اعلان کی تحریر پڑھ کر اُنھوں نے فون پر کہے:''ایک صاحب نے کہا کہ واٹسپ پر اعلان مدرس کے لیے تم نے ہی دیا ہے؟'' دوسرے ایک صاحب نے فون کیا کہ''ہم بھی کھواہس مند ہیں آپ کے یہاں پڑھانے کے لیے'' یعنی خواہش مند کے تلفظ میں''خ'' اور ش غائب تھا......ایک مدرس صاحب نے کہا: آپ کے یہاں مدرس کا اعلان نکلا ہے؟ ہمیں اس میں کیا کرنا ہے؟......متعدد اساتذہ نے اسی انداز سے فون کیا......فون کرنے والے اساتذہ حضرات میں بیشتر ایسے تھے کہ جنھوں نے اعلان کی تحریر کو سرسری طور سے پڑھا اور فون ملا دیا، اس گفتگو میں بجائے اس کے کہ اپنا تعارف کراتے اور ادارے میں تدریسی خدمت انجام دینے کی طلب ظاہر کرتے، سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ تنخواہ کیا ہوگی؟ وغیرہ ظاہر ہے اس کی بنیادی وجہ آدابِ معاشرت سے ناواقفیت ہے، عموماً نو فارغین فضلا کا ماحول یہ بن چکا کہ کسی بھی ادارے سے فارغ ہوے اور پڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا عام طور پر اس چیز کی ضرورت کا احساس ہی تقریباً ختم ہو چکا کہ ہمیں تدریس کے آداب و اُصول بھی سیکھنا چاہیے، اور معاشرت کے آداب سے بھی ہمیں آراستہ ہونا چاہیے......اصل تو یہ ہے کہ کسی بھی ادارے سے فارغ ہر فاضل کو اصلاح وتربیت کے لیے کسی نہ کسی صاحبِ دل اللہ والے سے مربوط ہونا چاہیے، اگر یہ ممکن نہ ہو، تو کم از کم یہ تو لازم سمجھیں کہ سفر تدریس کا آغاز کرنے والا ہر مدرس اپنے کسی بڑے اُستاذ کے مشورے ونگرانی میں تدریس کے اُصول وآداب کی کسی کتاب کا مطالعہ کر لے مثلاً''مثالی اُستاذ'' آدابُ المعلّمین، آدابُ المعاشرت، تعلیم وتربیت کس طرح؟ وغیرہ؛ تاکہ کسی نہ کسی درجے میں وہ منصب تدریس کی ذمے داریوں اور آداب سے آشنا ہو جائے اور اپنے تلامذہ کے لیے اچھا نمونہ پیش کر سکے۔

اصحاب تدریس کے افادے کی غرض سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی کتاب ''آداب المعاشرت'' سے چند آداب ہم یہاں درج کرتے ہیں جو باتوفیق اساتذہ کے لیے

مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں......مختلف الفاظ وتعبیرات اور منفرد اُسلوب میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنے زمانہ کے فضلاء وفارغین کے لیے اصلاح نفس پر زور دیا اور ان کے لیے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے کو لازم قرار دیا گیا ہے، عصر حاضر کے فارغین کے احوال اگر بالفرض حضرت تھانوی مشاہدہ فرماتے، تو کیا الفاظ اور کیا انداز اختیار فرماتے، اہل علم ودانش کے لیے اس کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں: فرماتے!

(۱) بزرگوں سے تعلق بڑی دولت ہے، بڑی نعمت ہے، لوگ اس کی قدر نہیں کرتے، مجھ کو تو اس لیے بھی اس کی خاص قدر ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعا کے اور کچھ ہے ہی نہیں، نہ علم ہے، نہ عمل ہے، اگر ہے، تو صرف یہی ایک چیز ہے۔ (الافاضات صفحہ۱۰۵/۵)

(۲) آج کل پڑھنے پڑھانے والوں کو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جا کر رہیں۔ بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم (بہت کچھ ہو گیے یعنی) کامل ہو گیے بھلا نری کتابوں سے بھی کبھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے۔ (طریق القلندر صفحہ۸۸)

(۳) یاد رکھیے جو عالم مدرسہ سے فارغ ہو کر خانقاہ میں نہ جائے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص وضو کر کے اسی پر قناعت کرے، اور نماز نہ پڑھے۔

(۴) ہم نے ایک آدمی بھی ایسا نہیں دیکھا کہ (درس اور کتابی اعتبار سے) پورا عالم ہو، اور صحبت یافتہ نہ ہو، اور پھر اس سے ہدایت ہوئی ہو، اور ایسے بہت سے دیکھے ہیں کہ شین اور قاف بھی ان کا درست نہیں (یعنی کتابی اور درسی علم حاصل نہیں) لیکن (صحبت حاصل ہو جانے کی برکت اور فیض سے) دین کی خدمت کرتے ہیں، پس نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا علم ہے۔ (طریق النجاۃ صفحہ۹۶، ۹۷)

(۵) نیز یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اگر ''کتابی'' علم کامل ہو، اور تربیت نہ ہو، تو چالا کی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر کتابی علم سے جاہل ہو، اور تربیت بھی نہ ہو، تب

بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ ''علم بدوں تربیت مورثِ عیاری ہے، اور چوں کہ ہر شخص سامان تربیت کا حاصل نہیں کرتا؛ لہٰذا ہر شخص کو ''کتابی'' علم کامل پڑھانا مفید نہیں؛ بلکہ مضر ہے۔

(طریق النجاۃ صفحہ ۹۶،۹۷)

(۶) درخت خود رو کہیں ٹھیک نہیں ہوتا۔ ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ رہتا ہے، جب تک اُسے باغباں درست نہ کرے کاٹ چھانٹ نہ کرے، قلم نہ لگاوے، ایسے ہی وہ شخص جو شیخ کی خدمت میں نہ رہے، اصلاح نہ کروائے، محض کتابوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھ بیٹھے، اس کی مثال بعینہٖ درخت خودرو کی سی ہے، جب تک اُسے شیخ ''مصلح'' درست نہ کرے، جب تک ٹھیک نہیں ہوتا؛ بلکہ بد دین اور بدعقائد، یا بداخلاق ہو جاتا ہے۔ (مقالات حکمت صفحہ ۴۰۷)

(۷) صحبت میں رہ کر دین آتا ہے، میں بہ قسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا، ضابطے کا دین تو کتابوں سے آسکتا ہے مگر حقیقی دین بلا کسی کی جوتیاں سیدھی کیے؛ بلکہ بلا جوتیاں کھائے نہیں آتا، دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا، دین انھیں نخروں سے آتا ہے، اب جس کا جی چاہے لے، اور جس کا جی چاہے نہ لے، اکبر ایک اچھے شاعر تھے، اُن کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے، ان کا مصرعہ ہے: دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔ (وعظ اوج القنوج صفحہ ۸۲،۸۳)

(۸) صاحبو! صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی کہ اس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اور ضرورت اسی کی ہے کہ مذہب اسلام دل میں رچا ہو، اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے، تو یہ ظاہری نماز کام کی اور نہ روزہ، بس وہ حالت ہے، جیسے طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔ ایک شاعر نے طوطے کی وفات تاریخ کہی ہے کہتا ہے:

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے رات دن ذکر حق رٹا کرتے
گربہ موت نے جو آ دبایا کچھ نہ بولے سواء ٹیں ٹیں

یہ تاریخ اگر چہ ہے تو مسخرہ پن؛ لیکن غور کیا جائے، تو اس نے ایک بڑی حکمت کی بات کہی ہے، یعنی یہ بتلا دیا کہ جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا، مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی، تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو، تو حافظ قرآن و عالم بھی ہوگا، تب بھی آٹے دال ہی کا بھاؤ دل میں لے کر مرے گا، جیسا کہ اس وقت غالب ہے کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہو جاتا ہے، صاحبو! اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے، خدا کے لیے اپنی اولاد پر رحم کرو اور اُن کو اسلام کی سیدھی ڈگر پر لگاؤ۔ (طریق النجاۃ صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰)

(۹) آج کل بڑی ضرورت کی چیز صحبت ہے، اہل اللہ اور خاصان حق کی، یہ صحبت میرے نزدیک اس زمانہ میں فرض عین ہے، بڑے ہی خطرے کا وقت ہے، جو چیز مشاہدے سے ایمان کی حفاظت کا سبب ہو، اس سے فرض عین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ ایسی چیز کا اہتمام تو ابتدا ہی سے ہونا چاہیے۔

صحبت نیک کے نہ ہونے سے اس وقت یہ حالت ہوگئی ہے کہ اُستادوں کے ساتھ استہزاً قرآن وحدیث میں تحریف اس وقت منتہائے کمالات ''لوگوں کے نزدیک'' یہ ہوگیا ہے کہ تقریر اور تحریر ہو، اور اپنے کو اپنے اُستادوں اور بزرگوں کے برابر خیال کرنے لگے۔ (الافاضات صفحہ ۱۰۷/۴)

(۱۰) آج کل افعالِ رذیلہ کا ہر شخص شکار بنا ہوا ہے، اس کا زیادہ تر سبب اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت سے محروم رہنا ہے، صحبت بڑی چیز ہے، اور اس کی قدر اس لیے نہیں رہی کہ آخرت کی فکر نہیں؛ ورنہ آخرت کی فکر میں رہنے والا اس سے کبھی اپنے کو مستغنی نہیں سمجھ سکتا۔ (منقول از آداب المعاشرت)

ملت اسلامیہ کی انتہائی مفید اور باکمال شخصیت

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ

استاذ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا مفتی ریاست علی قاسمی رام پوری
استاذ حدیث و مفتی جامعہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

برصغیر میں خاص طور سے ہمارا ملک ہندوستان انتہائی مفید، اہم، باوقار اور باکمال شخصیات سے محروم ہوتا جارہا ہے اور ملت اسلامیہ ہند کے لیے علم وعمل اور فضل وکمال کی حامل شخصیات کا تیزی کے ساتھ رخصت پذیر ہونا باعث تشویش بنا ہوا ہے، گزشتہ چند مہینوں کے اندر ملت اسلامیہ کے ڈھرکتے ہوئے دل ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں دیگر کارکنان کے ساتھ چار باکمال اور مؤقر شخصیات دارفانی سے دارالبقاء کی جانب رحلت فرماگئیں۔

۲۰ /رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کو اردو، عربی کے مشہور ادیب حضرت مولانا نورعالم خلیل امینی صاحب نوراللہ مرقدہٗ استاذ ادب عربی و مدیر ماہنامہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند کا سانحہ ارتحال پیش آیا۔ اس کے ۹/دن کے بعد ۲۹ /رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کو مشہور محدث اور مادر علمی کی مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہٗ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند راہیٔ آخرت ہوگئے۔

پھر ۸/شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ کو دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم و استاذ حدیث اور کل ہند مجلس تحفظ نبوت کے ناظم امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ کی وفات حسرت آیات کا سانحہ پیش آیا رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

اور اب مؤرخہ ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰/جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ تقریباً ساڑھے چار بجے دن میں ملت اسلامیہ کی انتہائی مفید، غیرمضر اور باکمال شخصیت دارالعلوم دیوبند کے استاذ ادب وفقہ وحدیث اور نائب مہتمم حضرت الاستاذ مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ کے انتقال پُرملال کا سانحہ پیش آیا۔ جو ملت اسلامیہ اور طبقہ علماء کے لیے بڑا خسارہ ہے۔ آج آخرالذکر شخصیت کے مختصر حالات زندگی پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

نام ونسب اور ولادت اور وطن

وطن مالوف: آپ کا وطن مالوف سنبھل ہے جو جمہوریہ ہند کی شمالی ریاست صوبہ اتر پردیش کا ایک قدیم ومشہور ومعروف قصبہ ہے اور اس وقت اس سنبھل کو ضلع کی حیثیت حاصل ہے۔ سابقہ دور میں سنبھل ضلع مرادآباد کا ایک قصبہ اور تحصیل تھا اور اب تقریباً دس بارہ سال سے اس کو صوبہ اتر پردیش کا ضلع ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سنبھل ہندوستان کے دارالحکومت دہلی سے جانب شمالی ۱۶۰ ر کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے جو تاریخی شواہد کی روشنی میں ملک کی قدیم ترین بلکہ اہم ترین آبادیوں میں شامل ہے اور اس بستی کو مذہبی اہمیت بھی حاصل ہے اور شمالی ہندوستان میں غالب مسلم اکثریت والی بستی ہونے کا اس کو شرف حاصل ہے۔ سیاسی طور سے اس بستی میں مسلمانوں کو وزن حاصل ہے۔ میونسپلٹی کا چیئر مین ہمیشہ یہاں مسلمان ہوتا ہے۔ اسی طرح ایم. ایل. اے. اور ایم. پی. بھی اکثر اس حلقہ سے مسلمان ہی ہوتے رہے ہیں۔ موجودہ وقت میں بھی سنبھل سے رکن اسمبلی اور اراکین پارلیمنٹ مسلمان ہی ہیں اور اقتصادی اعتبار سے بھی سنبھل کے مسلمان اچھی خاصی حیثیت رکھتے ہیں۔

سنبھل مشہور ہندو حکمراں پرتھوی راج کے دور حکومت میں ہندوستان کا پایۂ تخت تھا؛ لیکن شہاب الدین غوری کے ذریعہ ۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور اس کے بعد سے مسلم عہد حکومت شروع ہوا، اس دور میں مرادآباد نام کی کوئی جگہ نہیں تھی بلکہ مغلیہ عہد کے اندر شاہجہاں کے دور حکومت میں مرادآباد شہر کا وجود ہوا۔ مغلیہ عہد حکومت جس کا آغاز بابر کی فتوحات بزمانہ ۱۵۲۶ء سے ہوتا ہے۔ اس عہد کے آغاز ہی سے سنبھل شہزادہ ہمایوں کی جاگیر قرار دیا گیا تھا۔ عہد اکبری میں سنبھل کو صوبہ دہلی سرکاروں (کمشنریوں) میں سے سرکار سنبھل کے مرکزی مقام کا درجہ حاصل ہوا۔ اس سرکار سنبھل کے تحت موجودہ مرادآباد شہر اور اطراف کے خاصے علاقے سرکار سنبھل میں شامل تھے۔ پھر دور شاہجہانی میں مرادآباد شہر کے وجود میں آنے کے بعد سرکار سنبھل کی حیثیت مرادآباد کی جانب منتقل ہوگئی۔ مغلوں سے پہلے سکندر لودھی کے دور حکومت میں سنبھل ہندوستان کا پایۂ تخت اور

دارالسلطنت تھا اور بقول مؤلف تاریخ سنبھل ''احسن التواریخ'' غلام احمد شوق فریدی۔

''قدیم ہندو عہد حکومت کی طرح مسلم دور حکومت میں بھی سنبھل برصغیر کا اہم علمی وسیاسی مرکز رہا اور لودھی فرماواؤں سے لے کر مغل حکمرانوں تک تاریخ میں کہیں بھی اس کی عظمت و مرکزیت مدھم پڑتی دکھائی نہیں دیتی ہے۔''

سنبھل میں جہاں سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مسلمانوں کو عظمت حاصل رہی ہے وہیں سنبھل کو علمی مقام بھی حاصل رہا ہے اور صوفیاء وعلماء کرام بڑی تعداد میں سنبھل میں قیام پذیر رہے ہیں اور ان کی عظیم خدمات سنبھل سے وابستہ رہی ہے۔

ماضی بعید میں مفسر قرآن شیخ حمیدالدین صاحب (وفات: محرم ۹۸۳ھ) شیخ تاج الدین سنبھلی (وفات: ۱۰۵۱ھ)، شیخ حاتم سنبھلی (وفات ۹۶۹ھ) سید کمال سنبھلی، شیخ محمد کنبور سنبھلیؒ (وفات ۹۸۵ھ) مولانا خلیل احمد سنبھلی، مولانا عبدالوحید سنبھلی، مولانا محمد حسن سنبھلی، مولانا عبدالمجید صاحب سنبھلی، مولانا مبارک حسین سنبھلی، مولنا کریم بخش سنبھلی، تاریخ سنبھل کی وہ عظیم ہستیاں ہیں جنھوں نے تاحیات اپنے وطن سنبھل کا علمی مقام بلند و بالا کیا اور ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد حیات صاحب سنبھلیؒ، حضرت مولانا محمد منظور احمد صاحب نعمانیؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سنبھلی، حضرت مولانا مفتی محمد آفتاب علی خاں صاحب سنبھلی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلیؒ، حضرت مولانا محفوظ الحسن صاحب سنبھلیؒ اس سلسلۃ الذہب کی اہم کڑیاں ہیں جنھوں نے درس وتدریس، تصنیف و تالیف، وعظ وتقریر اور فرق باطلہ اور ضالہ کے تعاقب وتردید کے ذریعہ اپنا فریضہ مذہبی ادا کرتے ہوئے سنبھل کا نام روشن کیا اور اس کی تاریخی حیثیت اور عظمت کو برقرار رکھا۔

موجودہ دور میں بھی حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نعمانی، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، حضرت مولانا محمد عارف صاحب سنبھلیؒ سابق شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلوم لکھنؤ، حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلیؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ،

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلیؒ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ، حضرت مولانا عبدالمؤمن صاحب ندویؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ نعمانی، حضرت مولانا محمد عمران ذاکر سنبھلی، شہر سنبھل کے وہ روشن ستارے ہیں جن کی خدمات سے عوام وخواص واقف ہیں۔

ممدوح حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ اسی تاریخی بستی کے روشن چشم و چراغ ہیں جنھوں نے ہندو بیرون ہند میں اپنے شہر کا نام روشن کیا اور آج ان کی علمی و روحانی خدمات سے ہندوستان کا چپہ چپہ روشن ہے۔

نام ونسب اور پیدائش

آپ کا اسم گرامی عبدالخالق والد محترم کا نام نصیر احمد ہے، سنبھل کے عظیم ترین علاقہ سرائے ترین کے محلّہ جھجھران میں مؤرخہ ۴/جنوری ۱۹۵۰ء میں آپ کی پیدائش ہوئی اور سنبھل ہی آپ کا وطن اصلی، جائے پیدائش اور جائے سکونت رہا ہے۔ اگرچہ بعد میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کا سلسلہ قائم ہونے کے بعد دیوبند ضلع سہارن پور کو اپنا دوسرا وطن اصلی بنالیا تھا۔

تعلیم وتربیت

آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز مدرسہ وحیدالمدارس سرائے ترین سنبھل سے ہوا جہاں سنبھل کے مشہور عالم دین مولانا مفتی محمد آفتاب علی خاں صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی عوام وخواص کے لیے مرجع خلائق تھی اور موصوف کا درس وتدریس کا مشغلہ بھی اسی ادارہ میں جاری وساری تھا، کچھ عرصہ کے بعد موصوف کا مدرسہ شمس العلوم سرائے ترین سنبھل میں تقرر ہوگیا تو آپ بھی مدرسہ شمس العلوم سنبھل میں داخل ہوگئے۔ آپ نے مدرسہ شمس العلوم سنبھل میں ناظرہ قرآن کریم کی تکمیل کے ساتھ اردو، ہندی، ریاضی وحساب، دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اسی ادارہ میں حافظ فریدالدین خاں صاحب کے زیر تلمذ قرآن کریم حفظ مکمل کیا۔

عربی وفارسی کی تعلیم کا آغاز

مدرسہ شمس العلوم سنبھل میں حفظ قرآن اور دینیات وعصری تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے اسی مدرسہ میں حضرت مولانا مفتی آفتاب علی خاں صاحبؒ سے درس نظامی کی تعلیم کا آغاز فرمایا اور فارسی وعربی سال اول سے شرح جامی تک درس نظامی کی تمام کتابیں موصوف ہی سے پڑھیں اور صرف ونحو اور جملہ علوم وفنون میں درک وکمال حاصل کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور فراغت

مدرسہ شمس العلوم سنبھل کے بعد آپ نے ۱۹۶۸ء کے اواخر میں ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور سال چہارم عربی شرح جامی، قطبی، کنز الدقائق وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا اور درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے ۱۹۷۲ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور سالانہ امتحان میں تیسری پوزیشن سے کامیابی حاصل کی، جو دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی ادارہ میں طالب علم کے لیے بڑا اعزاز ہے۔آپ کے رفقاء درس میں میں حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی مدظلہ استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا بدرالحسن صاحب دربھنگوی سابق استاذ عربی ادب و مدیر پندرہ روزہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی عبدالوہاب صاحب سہارنپوری سابق مفتی واستاذ حدث مدرسہ شاہی مرادآباد، مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب ناظم مدرسہ انصارالعلوم نوگانواں سادات، امروہہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد آئندہ سال تکمیل ادب میں داخلہ لیا اور عربی زبان وادب میں خصوصی مہارت حاصل کی۔آپ کورب ذوالجلال نے عربی زبان لکھنے اور پڑھنے کی دونوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

اساتذہ دارالعلوم دیوبند

آپ نے دارالعلوم دیوبند کے جن نابغۂ روزگار عبقری شخصیات سے اکتساب فیض کیا، ان میں بخاری شریف فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند چار اساتذہ کرام سے پڑھی اس اجمالی کی تفصیل یہ ہے کہ آغاز سال میں بخاری شریف جلد اول فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ سے پڑھی پھر درمیان سال حضرت فخر المحدثینؒ کے وصال کے بعد ہفتہ عشرہ بخاری شریف اول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے پڑھائی۔ اس کے بعد مستقل طریقہ سے بخاری شریف جلد اول حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ سے متعلق کردی گئی اور فخر المحدثین کے وصال کے بعد موصوف دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے جبکہ بخاری شریف جلد ثانی پورے سال حضرت فقیہ الامتؒ پڑھاتے رہے۔

دورۂ حدیث شریف کے دیگر اساتذہ کرام میں فخر العلماء حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔

تکمیل ادب میں آپ کے مربی و مشفق استاذ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ رہے اور موصوف ہی کی نگرانی میں تکمیل ادب کے سال شب و روز کی تعلیمی سرگرمیاں مکمل فرمائیں۔ ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے دیگر اساتذہ میں حضرت مولانا فخر الدین صاحب گورکھپوریؒ، حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا میاں سید اختر حسین صاحبؒ، حضرت مولانا

خورشید عالم صاحب عثمانی، حضرت مولانا زبیر احمد صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔

دینی خدمات کا آغاز اور مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تقرر

دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف اور شعبہ تکمیل ادب سے فراغت کے بعد ۱۹۷۳ء کے اواخر میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدۂ سابق استاذ مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند میں بھی مدرس رہے) کی تجویز اور کوششوں سے مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں عربی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا اور وہاں آپ کا قیام چھ سال رہا اور اس ادارہ میں آپ نے ابتدائی فارسی اور سال اول عربی سے تمام درجات کی مختلف کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔ حتی کہ جب ۱۹۷۶ء میں مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا تو ابن ماجہ شریف کا درس آپ سے متعلق رہا۔ یہاں آپ کے خاص تلامذہ میں حضرت مولانا کمال الدین صاحب راجستھانیؒ، حضرت مولانا مفتی مقصود عالم صاحب بلند شہریؒ، جناب مولانا قاری ظہیر احمد اظہر صاحب قاسمیؒ اساتذہ کرام مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ، جناب مولانا محمد احتشام صاحب مقیم حال ریاض، مولانا محمد خالد صاحب ساکن چندیرو ضلع بلند شہر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد میں تقرر

۱۹۷۹ء میں آپ نے گھریلو اعذار اور بعض حالات کی وجہ سے مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ سے تدریسی رشتہ منقطع فرمالیا اور پھر اس موقع پر دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کے باوقار مہتمم حضرت مولانا محمد اعلم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدۂ کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی اور اپنے ادارہ میں آپ کا تقرر کرلیا۔ یہاں آپ کا قیام تین سال رہا اور اس ادارہ میں بھی ابتداء سے سال ہفتم عربی تک تمام درجات کی کتابیں پڑھائیں۔ اس ادارہ میں تین سالہ قیام کے دوران آپ کی خدمات کے نقوش دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد کے ذمہ داران واساتذہ کرام آج بھی محسوس کرتے ہیں۔

ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں تقرر

۱۹۸۲ء کے اواخر میں مادر علمی ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں آپ کا عربی مدرس کے طور پر تقرر عمل میں آیا اور یہ تقرر تعلیمی سال کے دوران عمل میں آیا اور آپ کے ہم وطن اور ہاپوڑ کے زمانۂ تدریس کے آپ کے مربی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کی وجہ سے موصوف کے اسباق ہی آپ کو سپرد کیے گئے اور دارالعلوم دیوبند کے پہلے ہی سال آپ نے ہدایہ اول، مقامات حریری، اصول الشاشی اور سلم العلوم وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ اس موقع پر آپ کے ساتھ ہی ایک ہی تاریخ میں حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی اور حضرت مولانا محمد نسیم صاحب بارہ بنکوی کا تقرر بھی عمل میں آیا۔

دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہونے کے بعد زیادہ تر آپ سے عربی ادب کی کتابیں وابستہ رہیں۔ مقامات حریری، دیوان متنبیؔ اور تکمیل ادب کی مختلف کتابیں آپ نے بار بار پڑھائیں۔ دیوان متنبیؔ ابتدائی دو سالوں کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں تاحیات آپ سے متعلق رہی۔ اس کے علاوہ مختصر المعانی، ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین، الفوز الکبیر، حسامی، نورالانوار وغیرہ بھی متعدد مرتبہ آپ نے پڑھائیں۔ کتب حدیث شریف میں مشکوٰۃ شریف اور سنن ابن ماجہ بھی آپ سے عرصہ دراز تک وابستہ رہیں۔

الغرض متوسطات سے علیا تک تمام درجات کی کتابیں پڑھانے کی آپ کو سعادت حاصل رہی۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کی مدت تدریس ۳۹/سال کے عرصہ کو محیط ہے۔

انتظامی ذمہ داریاں

دارالعلوم دیوبند میں تدریسی ذمہ داریوں کے ساتھ مختلف مواقع پر آپ کو انتظامی ذمہ داریاں بھی تفویض کی گئیں۔ نیابت اہتمام سے پہلے تقریباً ہر سال آپ ناظم دارالاقامہ بھی رہے اور کسی نہ کسی حلقہ کی نگرانی آپ سے وابستہ رہی؛ نیز مختلف سالوں میں آپ کو تمام ہی امتحانات کے پرچوں کا ناظم طباعت اور پھر ناظم امتحان بھی بنایا گیا اور جب دارالعلوم دیوبند

کی انتظامیہ نے فرق باطلہ اور فرق ضالہ کے تعاقب کے لیے رجال سازی کا منصوبہ تیار کیا اور محاضرات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ کو ردمودودیت پر محاضرہ پیش کرنے کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئیں اور بحمدللہ آپ نے تمام ہی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا اور انتظامیہ، اساتذہ کرام اور طلبہ سبھی آپ کے حسن انتظام سے خوش رہے۔

نیابت اہتمام

۲۰۰۸ء میں حضرت الاستاذ مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہٗ کے خاص حالات کی وجہ سے نیابت اہتمام کے منصب سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اراکین نے اتفاق رائے کے ساتھ آپ کو نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے منصب پر فائز کیا اور پھر تقریباً تیرہ سال تک تاحیات آپ نائب مہتمم کے منصب پر متمکن اور فائز رہے اور حضرت مہتمم صاحب کی جانب سے جن شعبۂ جات کی نگرانی اور ذمہ داری آپ کو تفویض کی گئی آپ نے ان کو پوری ذمہ داری کے ساتھ نبھایا۔ عام طور سے شعبۂ مطبخ، شعبہ دارالاقامہ، تحفظ ختم نبوت اور شعبۂ نشرواشاعت وغیرہ شعبہ جات کی نگرانی آپ کو تفویض کی جاتی تھی۔

متعدد مرتبہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی غیر موجودگی اور طویل سفر کی وجہ سے آپ کو قائم مقام مہتمم بھی تجویز فرمایا اور آپ نے اس ذمہ داری کو بھی مکمل امانت ودیانت کے ساتھ انجام دیا۔ اس کے علاوہ جو بھی کام آپ کو سپرد کیا جاتا تھا۔ آپ مکمل ذمہ داری سے اس کو پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور دارالعلوم دیوبند میں تمام ہی طبقات کے افراد آپ کے حسن انتظام سے مطمئن اور خوش رہتے تھے۔

امتیازات اور کمالات

آپ کو خلاق عالم نے متعدد خصوصیات وامتیازیات وکمالات سے نوازا تھا۔ انکساری، فروتنی، کسر نفسی اور تواضع آپ کا یگانہ روزگار وصف تھا جو بہت کم خوش نصیب افراد کو نصیب ہوتا ہے، زبان کی شیرینی خوش اخلاقی، تعبیر دانی اور تعبیر سازی، ہر وارد وصادر سے خندہ

پیشانی سے ملاقات، ہر آنے والے خورد وکلاں کی حسب موقع ضیافت ومہمان نوازی آپ کے امتیازی اوصاف میں شامل ہیں۔

اور سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ملت اسلامیہ کے سبھی طبقات کے لیے آپ بیحد مفید بلکہ مفیدترین شخصیات میں شامل تھے۔ضرورت مندوں کا جمگھٹا اور ہجوم آپ کے دروازہ پر مسلسل کھڑا رہتا تھا اور آپ اطلاع ہونے کے بعد دروازہ سے باہر تشریف لاتے تھے اور ہر ایک کی گفتگو کو غور سے سماعت فرماتے تھے اور اس کی مطلوبہ درخواست کو پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے یا رہنمائی فرماتے تھے اور ہر ایک کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے طلبہ کی تعلیمی سرگرمیوں اور انجمن کے پروگراموں میں پوری دلچسپی سے شریک ہوتے تھے اور حسن کارکردگی پر حوصلہ افزائی فرماتے تھے جن ضلعی یا صوبائی انجمنوں کی سرپرستی آپ سے نامزد طریقہ سے وابستہ تھی۔ان کے انتخاب سے لے کر سالانہ اختتامی اجلاس تک تمام ہی امور میں شریک رہتے تھے اور وقفہ وقفہ سے ذمہ داران انجمن سے حالات دریافت فرماتے تھے اور پیش آمدہ مشکلات کو حل فرماتے تھے۔

ہندو بیرون ہند میں مدارس اسلامیہ کے سالانہ جلسوں اور دیگر اصلاحی اور سیرت کے پروگراموں میں آپ کو اہتمام سے دعوت دی جاتی تھی اور آپ حسب گنجائش شرکت کا وعدہ فرماتے تھے اور پھر مقرر پروگراموں میں شرکت فرما کر ذمہ داران مدارس کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔عوام وخواص کی اصلاح فرماتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔اس طرح مسلک دارالعلوم دیوبند کی اشاعت اور مذہب اسلام کی صحیح تصویر عوام وخواص میں پیش کرنے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔غیر مقلدیت،مودودیت، رضاخانیت اور قادیانیت کے تعاقب وتردید کے پروگراموں میں بھی ملک بھر میں تشریف لے جاتے تھے اور ان میں شریک ہوکر فرق باطلہ و ضالہ کی تردید اور دفاع عن الدین کا فریضہ انجام دیتے تھے۔متعدد مدارس اسلامیہ کی مجلس شوریٰ کے آپ رُکن رکین تھے اور ان کے مشاورتی جلسوں میں شریک ہوکر ذمہ داران مدارس کو مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے۔

دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد، مدرسہ حیات العلوم مرادآباد، دارالعلوم زکریا مرادآباد، مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ، مدرسہ روضۃ العلوم ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور، جامعہ فلاح دارین

الاسلامیہ بلاسپور ضلع مظفرنگر وغیرہ متعدد مدارس اسلامیہ میرے علم میں ہیں جن کے انتظامی مشوروں میں آپ کی شرکت ہوتی تھی اور ذمہ داران کو آپ کے مشوروں سے بیحد فائدہ ہوتا تھا۔اس کے علاوہ نیابت اہتمام سے پہلے اکثر و بیشتر اور نیابت اہتمام کے بعد گاہے گاہے آپ مدارس اسلامیہ عربیہ کے سالانہ وششماہی امتحانات میں شرکت فرماتے تھے اور محنتی طلبہ کی محنتوں کو خوب سراہتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ 'خیر الناس من ینفع الناس' کا صحیح مصداق تھے۔ملت اسلامیہ اور طبقہ علماء وطلبہ آپ کی عادات وخصائل اور خوش اطواریوں اور خوش اخلاقیوں کو عرصہ دراز تک یاد رکھے گا اور اپنی مجالس کو آپ کے ذکر خیر سے مزین رکھے گا۔

آپ کے چچا حضرت مولانا عبدالمعید صاحب سنبھلی مدظلہ اپنی کتاب ''تاریخ سنبھل'' میں رقم طراز ہیں:

> **بچپن سے قدرت نے انہیں غیر معمولی دماغی قوت وصلاحیت سے نوازا تھا،زمانہ طالب علمی ہی میں دارالعلوم پہنچ کر علمی گوہر کھلنے لگے بایں وجہ وہ اپنے ہم درسوں اور ہم چشموں میں ممتاز اور نمایاں رہے۔(تاریخ سنبھل ص:۴۹۵)**

راقم السطور کا تعلق آپ کی ذات سے دارالعلوم جامع الہدی مرادآباد کے زمانہ سے ہی تھا جس زمانہ میں راقم......مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی ضلع رام پور میں سال سوم عربی کا طالب علم تھا تو آپ کو ذمہ داران مدرسہ نے سالانہ امتحان کے لیے دعوت دی اور آپ تشریف لائے اور بندہ کا کافیہ اور شرح جامی بحث فعل میں سالانہ امتحان لیا۔اس دور سے آپ بندہ سے تعلق اور محبت رکھتے تھے اس کے بعد جب احقر مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ میں طالب علم تھا اور دارالعلوم دیوبند اکابرین کی زیارت وملاقات کے لیے حاضری ہوتی تھی تو حضرت والا بھی انتہائی خندہ پیشانی سے ملاقات فرماتے تھے جس سے اپنائیت کا بھرپور احساس ہوتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں کوئی اپنا عزیز اور قریب موجود ہے۔آپ ذرہ برابر بھی اجنبیت کا احساس نہ ہونے دیتے تھے اور ہمیشہ ہر ملاقات پر ناشتہ یا کھانے پر بلاتے تھے اور ضیافت کا فریضہ انجام دیتے تھے،اور یہ سلسلہ ضیافت ومہمان نوازی تاحیات باقی رہا؛ بلکہ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی اور پھر وہاں سے فراغت کے بعد بندہ کے تدریسی دور

میں یہ رشتہ سرپرستی میں تبدیل ہوگیا اور دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی سے لے کر تاحیات اہم امور میں سرپرستی فرماتے رہے بلکہ دارالعلوم دیوبند میں پورے خطۂ روہیلکھنڈ کے طلبہ آپ ہی کو اپنا سرپرست تسلیم کرتے تھے اور اپنی مشکلات اور ضروریات آپ ہی کے روبرو پیش کر کے ان کا حل نکالتے تھے۔

واضح رہے کہ خطہ روہیلکھنڈ میں مرادآباد کمشنری اور بریلی کمشنری کے سبھی اضلاع شامل ہیں اور ان تمام اضلاع سے وابستہ طلبہ دارالعلوم آپ ہی کو اپنا سرپرست اور مربی سمجھتے تھے اور واقعی آپ سبھی کے سرپرست اور مربی تھے۔ دیگر اضلاع اور صوبوں کے طلبہ بھی آپ سے کثرت سے رجوع کرتے تھے اور اپنی ضروریات آپ کے سامنے رکھتے تھے اور آپ سبھی کو حل فرماتے تھے، طلبہ کو آپ سے ملاقات کے بعد اطمینان قلب اور تسکین روح کا سامان فراہم ہوتا تھا اور وہ بیحد شاداں وفرحاں نظر آتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ ...... ع

خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

تصنیفات وتالیفات

آپ کو رب ذوالجلال نے تصنیف وتالیف کا لطیف اور صاف ستھرا ذوق عطا فرمایا تھا؛ لیکن آپ اپنی تدریسی وانتظامی مصروفیات کی وجہ سے اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ تاہم چند تصنیفات آپ کے قلم سے وجوہ پذیر ہو کر عوام وخواص کے لیے سرمۂ بصیرت بنی ہوئی ہیں:

(۱) دارالعلوم دیوبند کے شعبہ محاضرات کی جانب سے آپ کو ارباب دارالعلوم دیوبند نے ردمودودیت پر محاضرہ تیار کر کے طلبہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے پیش کرنے کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ چناں چہ آپ نے انتہائی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ مفید اور تحقیقی محاضرات پانچ حصوں میں ترتیب دیے گئے پھر دارالعلوم دیوبند کی جانب سے اس کی اشاعت ہوئی اور تاحیات ہر سال ان محاضرات کو پیش کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الایمان کا اردو ترجمہ آپ نے سلیس زبان میں کیا اور اس

کے ذریعہ ایک اہم علمی ضرورت کو آپ نے پورا فرمایا۔

(۳) شیخ عبدالمجید زندانی یمنی کی کتاب التوحید کا اردو ترجمہ جو پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے اس کے علاوہ بعض مختصر تحریریں آپ کے قلم سے وجود پذیر ہوئی ہیں۔

تزکیہ وسلوک

آپ اصلاح باطن اور تزکیہ وسلوک کی دولت عظمیٰ حاصل کرنے کے لیے فقیہ الامت مفتی اعظم ہند حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور آپ کے تلقین کردہ وظائف واوراد پر عمل پیرا رہے؛ لیکن حضرت فقیہ الامتؒ کے وصال کے بعد کسی شخصیت کی جانب رجوع کرنا ہمارے علم میں نہیں ہے۔

فیضان علمی

آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان کی تعداد بیشمار اوران گنت ہے۔دارالعلوم دیوبند کے علیاء کے چند اساتذہ کرام کو مستثنیٰ کرکے درجہ وسطی اور ادنی کے سبھی اساتذہ کرام آپ کے تلامذہ کی فہرست میں داخل ہیں۔اس کے علاوہ بیشتر دینی مدارس کے اساتذہ کرام بھی آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں جو تدریس وافتاء اور دوسری دینی خدمات کے اندر مصروف اور منہمک ہیں۔

علالت ووفات

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت اچھی صحت عطا فرمائی تھی خوراک بھی اچھی تھی۔معمولی نزلہ بخار کی بیماری کا استثناء کرکے کوئی بڑی بیماری آپ کو لاحق نہیں ہوئی؛ لیکن سال گزشتہ محلّہ خانقاہ سے ایک دعوت میں شرکت کرکے گھر واپس ہوئے تو آپ اچانک گر گئے اور آپ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔علاج ومعالجہ کے بعد افاقہ ہوااااور آپ حسب معمول اپنے امور مفوضہ میں مصروف ہوگئے اور دفتری امور انجام دینے لگے،اگرچہ لاک ڈاون کی وجہ سے تدریسی سلسلہ قائم نہ ہوسکا۔اس کے بعد سال رواں میں آپ کو یرقان کی شکایت ہوئی اور امروہہ کے

مشہور ماہر یرقان ڈاکٹر کا علاج شروع ہوا اور ابتدائی مراحل میں افاقہ بھی ہوا مگر بعد کے ادوار میں طبیعت بگڑتی چلی گئی پھر مزید ڈاکٹروں سے رابطہ قائم کیا گیا۔دہلی بھی لے جایا گیا، مختلف جانچیں کرائی گئیں تو آپ کی کڈنی متاثر نظر آئی اور کینسر کا اثر بھی تجویز کیا گیا؛ لیکن پھر بھی علاج و معالجہ جاری رہا۔ادھر چند ہفتوں سے آپ پر مسلسل غشی رہنے لگی بالآخر وقت موعود آ ہی گیا اور مؤرخہ ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰/جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بوقت ساڑھے چار بجے شام قبل نماز عصر مظفر نگر ہسپتال میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور آپ کی روح سعید قفس عنصری سے پرواز کر کے مولائے حقیقی سے جا ملی اور یوم جمعہ میں وفات کی فضیلت نعمت غیر مترقبہ کے طور پر رب العالمین نے آپ کو عطا فرمائی۔انا للہ و انا الیہ راجعون و انا بفراقک بالمخزونون

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نماز جنازہ اور تدفین

انتقال کے بعد جنازہ دیوبند آپ کی قیام گاہ پر قبیل نماز عصر لایا گیا۔آپ کے آخری دیدار کے لیے طلبہ کا جم غفیر اور تمام اساتذہ دارالعلوم بشمول حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قمرالدین صاحب گورکھپوری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی صدر مفتی دارالعلوم دیوبند موجود تھے۔

باہمی مشورہ سے نماز جنازہ کا وقت رات کے گیارہ بجے مقرر ہوا اور تجہیز و تکفین کی تیاری شروع کر دی گئی۔رشتہ داروں اور اعزہ و اقرباء کے علاوہ بھاری تعداد میں علماء کرام ذمہ داران دینی مدارس نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور اپنی محبوب شخصیت کو

آخری الوداع کہا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی امامت میں آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور قبرستان قاسمی میں تدفین عمل میں آئی اور آپ ہمیشہ کے لیے خطۂ صالحین میں محو استراحت ہوگئے۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

پسماندگان

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ تین صاحب زادگان سہیل احمد، مولانا مفتی عزیز احمد اور زبیر احمد اور چار صاحب زادیاں شامل ہیں، صاحب زادگان میں دولڑکے اپنا دہلی میں کاروبار کرتے ہیں اور بقدرِ ضرورت دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عصری تعلیم یافتہ ہیں اور دوسرے نمبر کے صاحب زادہ عالم فاضل ہیں اور دیوبند ہی کے ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ چاروں لڑکیاں ماشاءاللہ دینی و دنیوی علوم سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ شادی شدہ ہیں اور چاروں ہی داماد ماشاءاللہ عالم، مفتی اور فاضل دارالعلوم دیوبند ہیں۔ اول الذکر تینوں داماد تدریسی خدمات سے وابستہ ہیں۔ بڑے داماد مولانا مفتی محمد طیب صاحب قاسمی دارالعلوم جامع الہدیٰ گلشہید مرادآباد میں منتظم اور استاذِ حدیث ہیں۔ دوسرے داماد مولانا مفتی خلیق احمد صاحب دارالعلوم صدیق اکبر قطب پور ضلع رام پور کے روح رواں اور ذمہ داراعلیٰ ہیں۔ تیسرے داماد مولانا مفتی محمد رضوان صاحب قاسمی مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ میں عربی ادب کے استاذ ہیں اور درس نظامی کی دوسری کتابیں بھی پڑھاتے ہیں۔ آخرالذکر سب سے چھوٹے داماد عالم ہونے کے ساتھ ماشاءاللہ ڈاکٹر بھی ہیں اور طبابت وڈاکٹری کے پیشہ سے وابستہ ہیں۔

رب ذوالجلال سبھی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دینی خدمات کے لیے قبول فرمائے۔ (آمین)

نہایت مشفق ومخلص سرپرست

(اُستاذ العلماء، حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی قدس سرہ)

ابوعبید

یہ دنیا دارالفناء ہے ہمیشہ اور باقی رہنے والی زندگی آخرت کی زندگی ہے، اس عالم فانی میں جو بھی آیا اس کے جانے کا ایک وقت مقرر ہے روزانہ اپنے اپنے وقت پر سینکڑوں ہزاروں لوگ اس دارِفانی سے عالم بقاء کی طرف رحلت کرتے ہیں، بیشتر مسافرین آخرت ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی وفات کے سانحے سے اُن کے اہل خانہ اور خاندان کے افراد متاثر اور غم زدہ ہوتے ہیں، ملک عدم سے عالم بقاء کی طرف منتقل ہونے والی بعض ایسی شخصیات ہوتی ہیں کہ جن کے انتقال سے نہ صرف آل اولاد اور خاندان کے افراد رنجیدہ اور محزون ہوتے ہیں؛ بلکہ اُن کا ایک وسیع حلقہ سوگوار ہوتا ہے اور اُن کا خلاء دیر تک اور دور تک محسوس کیا جاتا ہے، اُن با فیض شخصیت کے انمٹ نقوش محبین ومتعلقین کے حلقے میں لمبے زمانے تک باقی رہتے ہیں، ہمارے جامعہ کے نہایت مشفق ومخلص سرپرست دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ حدیث وادب اور نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی قدس سرہ کی جامع شخصیت اسی نوعیت کی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا سنبھلی علیہ الرحمہ کی ذات مجموعۂ کمالات تھی دارُالعلوم دیوبند کے محبوب ومقبول ہر دل عزیز اُستاذ تھے منفرد انداز تدریس، شستہ شیریں زبان، دلچسپ لب ولہجہ، خوش اخلاق ملنسار، نہایت شریف الطبع، متواضع منکسر المزاج، شرافت وسادگی کا پیکر اور نمونۂ اسلاف تھے۔

۲۰۰۸ء میں نیابت اہتمام کے اعزاز سے نوازے گئے اور تاحیات اس اہم وحساس منصب پر فائز رہے ـــــ راقم الحروف کو دارُالعلوم دیوبند کے دور طالب علمی میں تو حضرت والاؒ سے علمی استفادے کا موقع نہ مل سکا؛ تاہم جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاس پور کے تدریس وانتظام کے دور میں دارالعلوم کے معروف اُستاذ حضرت مولانا حسین احمد صاحب

ہریدواری مدظلہ کے توسط سے تعارف اور تعلق قائم ہوا، اور بعد ازاں حضرت والا کی شفقتیں ہم خدام جامعہ پر نچھاور ہوتی گئیں؛ یہاں تک کہ ہم لوگوں نے جامعہ کی سرپرستی کے لیے باضابطہ حضرت سے درخواست پیش کی جس کو حضرت والاؒ نے بشاشت کے ساتھ نہ صرف منظور فرمالیا؛ بلکہ قدم بہ قدم عملی طور پر حضرتِ والاؒ نے مثالی سرپرستی فرمائی۔

آپ کی مشفقانہ سرپرستی میں ادارہ کا تعلیمی معیار بلند ہوا، درجات عربی میں تقریری وتحریری امتحان کا نظام، منتہی جماعتوں کے امتحان ششماہی وسالانہ میں سوالات کے پرچوں کی ترتیب اور اُن پر تعدیلی نظر، اپنے مصروف ترین اوقات میں سے وقت فارغ کر کے دارالعلوم کے دیگر اساتذہ کی رفاقت میں بذات خود امتحان میں شرکت، عربی ششم وہفتم کی بنیادی کتابوں کے تحریری امتحان کی جانچ فرما کر اپنے قلم سے تاثرات رقم فرمانا، یہ تمام اُمور حضرت والاؒ بڑی بشاشت کے ساتھ فرماتے۔

تعلیمی سال کی ابتداء میں ''مشکوٰۃ المصابیح'' کے آغاز اور رجب میں اختتام کے موقع پر اپنی تشریف آوری سے خدام جامعہ کی دل جوئی فرماتے اور حسب موقع طلبہ کو گراں قدر نصائح سے نوازتے؛ نیز جامعہ کے سالانہ جلسوں اور اصلاحی پروگراموں میں بھی اکثر وبیشتر شرکت کے لیے وقت فارغ فرمالیتے، آپ کی سرپرستی میں جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کا قیام عمل میں آیا، جس میں ملک کے مختلف علاقوں سے ارباب علم وفہم کا انتخاب ہو کر رجب۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء میں شوریٰ کا پہلا اجلاس حضرتِ والا سنبھلی علیہ الرحمہ کی صدارت میں منعقد ہوا، آپ تعلیمی سال کی دونوں مجلسوں میں اہتمام سے بہ حیثیت صدر شرکت فرماتے، ایجنڈے کے کسی بھی نمبر پر اراکین شوریٰ کے درمیان بحث ہوتی آپ نہایت دور اندیشی اور متوازن انداز میں اظہار رائے فرماتے، انتظامی وتعلیمی کسی بھی اہم معاملے میں آپ کی رائے حرفِ آخر ہوتی، جملہ اراکین شوریٰ کی آراء اس پر متفق ہوجاتی۔

جامعہ کے تئیں شفقت وکرم نوازی کا ہی اثر تھا کہ مجلس شوریٰ کے انعقاد کی تاریخ ہو، یا

سالانہ اجلاس یا کوئی اور اصلاحی پروگرام ہو، مہینوں پہلے اپنی خاص ڈائری میں اس کو نوٹ فرما لیتے، پھر باقی اپنے سفری پروگرام اسی تناظر میں ترتیب دیتے، کبھی کوئی تسامح یا مغالطے کا پہلو ہو جاتا تو از خود رفیقِ گرامی محترم مولانا محمد اسماعیل صادق مدظلہ سے فون سے رابطہ فرما کر ازالہ فرما لیتے۔

جامعہ کے اصلاحی ترجمان ''سہ ماہی دعوۃ الصدق'' کے بھی حضرت مولانا سنبھلیؒ سرپرستان میں سے تھے، جامعہ تشریف آوری یا ہم خدام کی دیوبند حاضری پر رسالے کی طباعت کے بارے میں استفسار فرماتے، رسالے کے لیے مضامین کے انتخاب اور کتابت وطباعت پر پسندیدگی کا اظہار فرماتے، شوریٰ کے اجلاس کے روداد یا امتحان پر تاثراتی رپورٹ کے متعلق حکم دیتے کہ یہ رسالے میں شائع ہو جائیگی اچھا رہے گا، اپنے رفقائے سفر جو اکثر وبیشتر دارالعلوم کے اساتذہ میں سے ہوتے، ان سے از خود جامعہ کے نظام تعلیم وتربیت، صفائی ستھرائی، نظم وسلیقے کا تذکرہ فرما کر ہم خدام کا حوصلہ بڑھاتے، جامعہ کے تعلیمی معیار کی بلندی اور استحکام کے لیے متعدد ذی استعداد دارالعلوم میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہونے والے فضلاء کو عربی تدریس کے لیے حضرتِ والاؒ نے جامعہ بھیجا؛ بلکہ عربی اساتذہ کے انتخاب میں انٹرویو کے لیے آپ بذاتِ خود تشریف لائے اور آپ کے اظہار اعتماد کے موافق ہی تدریس کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔

دارالعلوم دیوبند سے محبت وعشق کا عملی نمونہ

جامعہ کے بارہ سالہ دورِ سرپرستی میں حضرت مولانا سنبھلی علیہ الرحمہ کو بہت قریب سے دیکھنے اور حضرت سے بہت سے اُمور سیکھنے کا موقع ملا، دیوبند میں بھی اور بلاس پور کی مجلسوں اور پروگراموں میں بھی کبھی حضرت کو کسی معاملے میں بھی غصہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، طلبہ اساتذہ، عوام وخواص متعارف، غیر متعارف سب لوگوں سے فرحاں، شاداں، خندہ پیشانی

سے ملنا نرم خوئی سے گفتگو کرنا، مجلس میں کسی کی غیبت و برائی نہیں، کوئی حاضر مجلس شروع کردے، تو سکوت فرما کر اس موضوع کو ختم کردینا یہ آپ کا امتیاز تھا، ہم لوگ جامعہ کے کسی بھی شعبے کے بارے میں مشاورت کرتے، تو سب سے اول آپ بے ساختگی کے ساتھ دارُ العلوم کا تذکرہ فرماتے اور اس شعبے کے بارے میں دار العلوم کے نظام کی تفصیل بتا کر رہنمائی فرماتے۔

ایک بار کتب خانہ جامعہ ''**المکتبة الحبيبية**'' میں کتابوں کی ترتیبِ نو کا تذکرہ کیا، تو فرمایا: کہ

''ایک تحریر حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے نام لکھ کر دو اُستاذوں کو کتب خانہ دار العلوم کا نظام سمجھنے کے لیے بھیج دیں، وہ لوگ مجھ سے ملاقات کرلیں میں ان شاء اللہ ناظم کتب خانہ کو لکھ دوں گا، جن کاغذات کی فوٹو کاپی کی ضرورت ہوگی وہ ان شاء اللہ ہو جائے گی''۔

ایک موقع پر جامعہ میں قدیم وجدید داخلوں کے نظام اور فارم وغیرہ کی ترتیب کا مشورہ تھا، حضرتِ والا نے دار العلوم کا تذکرہ کرتے ہوئے رہنمائی فرمائی، اسی طرح عربی مدرسین کے لیے ہر ماہ تعلیمی مقدار خواندگی لکھوانے کی کیفیت کا حضرت سے ذکر ہوا، تو آپ نے دار العلوم کے نصاب خواندگی کا نظام بتاتے ہوئے مشورے سے نوازا۔

جامعہ کا عربی نصاب اولاً ششم تک تھا، پھر عربی ہفتم کا آغاز ہوا، طلبہ موقوف علیہ پڑھ کر دار العلوم میں داخل ہو جاتے تقریباً دس سال عربی ہفتم تک تعلیمی سلسلہ جاری رہا، لاک ڈاؤن سے قبل کئی سالوں سے متعدد محبین واہل تعلق کا اصرار تھا کہ جامعہ میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز کر دیا جائے؛ چناں چہ شوریٰ میں یہ معاملہ زیر بحث آیا اول مجلس میں ہی حضرتِ والاؒ نے اپنے مخصوص لہجے میں دورۂ حدیث شریف کو موقوف رکھنے کی رائے دی، آئندہ سال دوسری مجلس کے انعقاد پر مکرر ذکر آیا، تو آپ نے موقوف رکھنے کے لیے فرمایا، آپ کے پیشِ نظر یہی پہلو زیادہ رہا کہ دارُ العلوم میں طلبہ داخل ہوکر مستفید ہوں اور دورۂ

حدیث کے آغاز سے کہیں ابتدائی جماعتوں کا معیار تعلیم کمزور نہ پڑ جائے جواللہ رب العزت کے فضل سے سالہا سال کی اساتذہ کی محنت وجدوجہد سے حضرت مولانا سنبھلیؒ کی مشفقانہ نگرانی میں قائم ہوا تھا، دوسال کے غوروفکر کے بعد شوریٰ نے اس تجویز کومنظور فرمایا،منظوری کے بعد بھی ایک سال گذر گیا اور عربی ہفتم تک نظام چلتا رہا،شوال ۱۴۴۱ھ میں لاک ڈاؤن کا سلسلہ تھا عیدالاضحیٰ کے بعد ۲۲؍ذی الحجہ۱۴۴۱ھ میں خاموشی کے ساتھ دورۂ حدیث شریف کا آغاز حضرت کے مشورے سے کردیا گیا، بخاری شریف کا اول سبق حضرت والاؒ نے دیوبند اپنی مجلس (بیٹھک) میں پڑھایا،متعلّمین دورۂ حدیث جنھوں نے موقوف علیہ تک جامعہ میں پڑھا تھا اُن کوساتھ لے کر ہم لوگ حضرت کے مکان پر دیوبند حاضر ہوے، جامعہ کے رکن شوریٰ حضرت مفتی سلمان احمد الہ آبادی مدظلہ بھی اس میں شریک ہوے، بحمداللہ ان بچوں کا تعلیمی سال مکمل ہوا،اور شعبان۱۴۴۲ھ کے اوائل میں جامعہ کے وسیع صحن میں تقریب ختم بخاری کے موقع پر حضرتِ والاؒ نے آخری حدیث کا درس دیا اور مکمل انبساط وبشاشت کے ساتھ امام بخاریؒ کے احوال اور تشریح حدیث پر مبسوط کلام فرمایا،حضرت کی پرسوز دعاء پر یہ روح پرور اجتماع تکمیل کو پہونچا۔

افسوس کہ حضرت والاؒ سے استفادے کا ہم خدام جامعہ کے لیے یہ آخری موقع ثابت ہوا، رمضان المبارک۱۴۴۲ھ میں حضرت مولاناؒ کی علالت کا آغاز ہوگیا تھا،شوال ذیقعدہ میں مختلف ڈاکٹروں اور حکیموں سے مراجعت، جانچ وغیرہ کا سلسلہ رہا، وقت موعود آچکا تھا بالآخر مؤرخہ:۱۹؍ذی الحجہ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ قبل العصر اللہ کے جوار رحمت میں حاضر ہوگیے۔ إنَّا لِلّٰہِ وَإنَّا إلَیْہِ رَاجِعُوْن.

اسی روز شام میں بعد نماز عشاء دارالعلوم کے احاطۂ مولسری میں مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم نے نمازِ جنازہ پڑھائی قرب وجوار کے علاوہ دور دراز سے ہزاروں علماء، اورعوام الناس نے شرکت کی

بعدازاں ''قبرستان قاسمی'' میں تدفین عمل میں آئی۔ تغمده الله بغفرانه

جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاس پور کے نظام تعلیم وتربیت کے متعلق حضرت مولانا سنبھلی علیہ الرحمہ کے قلم سے مختلف تحریرات ہیں، جن میں نہایت خوش اُسلوبی کے ساتھ مؤثر انداز میں حضرتِ والاؒ نے نظام جامعہ کی تحسین وتائید فرمائی اور اہل خیر کوادارے کے تعاون کے لیے متوجہ فرمایا، سب سے اول مؤرخہ ۸/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء میں امتحان ششماہی کے بارے میں تاثراتی تحریر ہے، اس کے بعد ۱۴۳۳ھ/۱۴۴۰ھ میں یکے بعد دیگرے آپ نے تاثرات رقم فرمائے۔

بالترتیب ان تحریرات کے اقتباسات ہم یہاں درج کرتے ہیں باری تعالیٰ حضرت والاؒ کی بال بال مغفرت فرمائے درجات عالیہ سے نوازے، حضرت کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

(۱)

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم ...... أمّا بعد!

کل مؤرخہ: ۷/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۰۸ء ہم لوگ (بندہ عبدالخالق سنبھلی ومحترم جناب مولانا محمد نسیم صاحب وجناب مولانا حسین احمد صاحب زید مجدہما) بغرض امتحان ششماہی جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاس پور (مظفرنگر) محترم مولانا محمد اسماعیل صادق قاسمی مہتمم جامعہ کی دعوت پر حاضر ہوئے، شعبۂ عربی وفارسی تا سال ششم عربی کی مختلف کتب کا تحریری وتقریری امتحان لیا، سب کا یہی تاثر رہا کہ طلبۂ عزیز نے محنت کی ہے، آموختہ اُن کو خوب ازبر ہے، اور اساتذۂ مدرسہ کی اُن پر پوری توجہ ہے، تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیتی نظام بھی بہت عمدہ پایا، انسانی زندگی میں پیش آنے والے اُمور کو سنتوں کی تطبیق کے ساتھ طلبہ کو اُن پر عمل کا التزام کرایا جاتا ہے، جس سے سنن نبویہ اس مسلم نئی نسل میں رچ بس جاتی ہیں، مدرسے کا یہ اندازِ تربیت قابل نمونہ ہے، عربی کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن پاک کا تجوید کے ساتھ نظام بھی بہت خوب ہے، اہل خیر حضرات سے مخلصانہ اپیل ہے کہ ایسے معیاری وممتاز اور مستحق ادارہ کا تعاون کرنا اپنا ملی فریضہ سمجھیں۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدرسے کی تمام ضرورتوں کا غیب سے انتظام فرمائے اور اس کی تعلیمی، تربیتی پرواز کو اور بلند تر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عبد الخالق سنبھلی — ۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
محمد نسیم قاسمی — ۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
حسین احمد قاسمی — مدرس دار العلوم دیوبند - ۸/۴/۲۹ھ

(۲)

باسمہٖ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً و مسلماً و بعد

مؤرخہ ۲؍ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۵؍فروری ۲۰۱۲ء بروز شنبہ بندہ اور جناب مولانا مفتی محمد نسیم صاحب زید مجدہٗ اور جناب مولانا حسین احمد صاحب ہری دواری حفظہ اللہ (اساتذۂ دار العلوم دیوبند) جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ، بلاس پور ضلع مظفر نگر، بغرض امتحان ششماہی حاضر ہوئے، احقر نے سال ششم کی چند کتب کی کاپیاں جانچیں، اسی طرح جناب مولانا مفتی محمد نسیم صاحب نے کاپیوں کی جانچ کی؛ جب کہ مولانا حسین احمد صاحب نے بعض کتب کا تقریری امتحان لیا، طلبہ نے ماشاء اللہ سوالات کو نہایت سلیقے سے بڑے عمدہ انداز میں حل کیا تھا، ان دونوں حضرات نے بھی وقیع تأثرات کا اظہار فرمایا ہے، ہم لوگوں کی پہلے بھی متعدد بار جامعہ فلاح دارین میں حاضری ہوئی، تعلیم وتربیت کے حوالے سے یہ ادارہ لائق تحسین خدمات انجام دے رہا ہے، اس کے ذمہ دار جناب مولانا محمد اسماعیل صادق صاحب اور مولانا میر زاہد صاحب کا اخلاص وجدوجہد نیز ان کے رفقائے کار کی جاں باز کوششیں رنگ لا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کے بال وپر میں مزید اضافہ فرما کر اس کی پرواز کو خوب خوب بلند فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین۔

عبد الخالق سنبھلی — ۱۱/۴/۳۳ھ
حسین احمد — مدرس دار العلوم دیوبند — ۱۱؍۴؍۱۴۳۳ھ
المصدق — محمد نسیم بارہ بنکوی — ۱۱؍۴؍۱۴۳۳ھ

تأثراتی آخری تحریر (۳)

جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ/ بلاس پور، ضلع مظفر نگر-مغربی یوپی کا ایک معروف تعلیمی وتربیتی ادارہ ہے۔

بندے کا اس جامعہ کے ساتھ خادمانہ (سرپرستانہ) تعلق ہے، ششماہی وسالانہ امتحانات، دینی اجلاس وغیرہ کے پروگرام کے علاوہ وقتاً فوقتاً یہاں حاضری ہوتی رہتی ہے، تعلیمی معیار اور طلبہ کی اخلاقی تربیت کا نظام الحمد للہ قابل ستائش ہے، بلاشبہ طلبہ کے لیے یہاں عملی مشق کا مرتب نظام دیگر مدارس اسلامیہ کے لیے قابل تقلید اور لائق نمونہ ہے۔

اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کی آمد ورفت کا سلسلہ ماشاء اللہ یہاں برابر رہتا ہے، بندہ کی رفاقت میں بھی متعدد حضرات تشریف لائے اور جامعہ کا نظام تعلیم وتربیت، نظم وسلیقہ، صفائی ستھرائی اور ذمہ داروں کی مخلصانہ محنت دیکھ کر بہت مسرور ومتأثر ہوئے۔ ماشاء اللہ وبارک اللہ-

اس ادارہ میں کل ۱۱۵۴/طلبہ زیر تعلیم ہیں، جن میں ۵۸۰/بیرونی طلبہ، اور ۵۷۴/مقامی ہیں، جن کی تعلیم وتربیت کے لیے ۶۲/اساتذہ وملازمین مصروف خدمت ہیں، جامعہ کی مزید توسیع کے لیے تین بیگھہ قطعۂ اراضی کی خرید کی گئی ہے، جس کے لیے چالیس لاکھ روپیوں کی ادائیگی باقی ہے۔

اہل خیر حضرات اس نوعیت کے منفرد وممتاز اداروں کا تعاون کرنا اپنا اسلامی فریضہ خیال کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَايُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْن.

خیر خواہ: عبدالخالق سنبھلی

خادم دارالعلوم دیوبند

۱۶/شعبان ۱۴۴۰ھ بروز دوشنبہ

جن کی خوشبو سے معطر تھا چمن

(حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلیؒ اُستاذ حدیث و نائب مہتمم دارُالعلوم دیو بند)

مولانا مفتی محمد توحید قاسمی پرتاپ گڈھی
اُستاذ ادب مدرسہ شاہی مراد آباد

اس فانی دنیا میں روزانہ بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں، اور اپنے دن پورے کر کے بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہو جاتے ہیں؛ لیکن ہزاروں میں ایک آدھ ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی بندگانِ خدا نیک نامی کے ساتھ یاد کرتے ہیں، انکے حق میں دعائیں کرتے ہیں، ان کی یادیں، ملاقاتیں اور روشن کارنامے بعد والوں کے لیے قدم قدم رہنما ثابت ہوتے ہیں، ان کی اجلی صاف ستھری اور بے داغ زندگی سے روشنی حاصل کرتے ہیں، ان کے کارناموں کو یاد کیا جاتا ہے، ان پر مضامین اور کتابیں لکھی جاتی ہیں، ان کی عادات واخلاق کو بہ طورِ تمثیل پیش کیا جاتا ہے، ان کے بنائے ہوئے خطوط زندگی کی شاہ راہ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، انہیں خدا کے مقبول بندوں میں استاذِ محترم دارُالعلوم کے اُستاذ حدیث و نائب مہتمم مشفق و مہربان اور سب کے چہیتے اُستاذ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی بابرکت ذات تھی۔

حضرتِ والا نے ۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ ۳۰/ جولائی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ کئی مہینوں کی بیماری اور علاج معالجے کے ایک طویل دورانیے کے بعد مالکِ حقیقی کے سامنے سر نیاز خم کر دیا، اور فانی دنیا سے منہ موڑ کر مزار قاسمی کے ایک گوشے میں ہمیشہ کے لیے آسودۂ خواب ہو گئے۔

آپ دارُالعلوم دیو بند کے ممتاز فاضل، بافیض مدرس، کامیاب منتظم، شرافت و پاکیزگی کا آئینہ، مروت کا خوگر، غم خواری کا پیکر، تواضع وانکساری کا بہتا ہوا دریا، محبت و پنائیت جن کی فطرت، دل و دماغ انتقام و نفرت سے پاک، کدورت و کھوٹ سے خالی، ادبی ذوق سے

سرشار، سفید رومال کی آڑ سے جھانکتا ہنس مکھ چہرہ، چشمے کے اوپر سے جھانکتی آنکھیں، اخلاق حسنہ سے متصف، نوادرات کا خزانہ، تعبیرات کے بادشاہ، ادبی اشعار از بر، خانہ زاد لطائف کے امام، حکایات وواقعات کا حسین گلدستہ، زندگی میں سادگی کا عنصر غالب، انتہائی سہل الحصول، ہر کس وناکس کی حاجت روائی وداد رسی میں طاق، طالب حاجت کا چوکھٹ پر ہجوم، اور ہر ایک کی خندہ روئی کے ساتھ استقبال وتکمیل، خردوں اور شاگردوں پر بے پناہ شفیق؛ بلکہ احترام اور اکرام کا درجہ لیے ہوے، اور اس جیسے بہت سے زندہ نقوش، اچھوتے اور نرالے انداز واوصاف کے مالک تھے، جن کی وجہ سے آپ ہمیشہ یاد کیے جاتے رہیں گے۔

بدلا نہ میرے بعد بھی موضوعِ گفتگو
میں جا چکا ہوں پھر بھی تیری محفلوں میں ہوں

یوپی کے مشہور صنعتی شہر مرادآباد کے ایک مردم خیز قصبہ سنبھل (جواب مستقل ضلع ہے، جس کا صدر مقام بہجوئی ہے) کے محلّہ سرائے ترین میں ۱۵/ربیع الاول ۱۳۶۹ھ مطابق ۴/جنوری ۱۹۵۰ء بروز بدھ آغوش مادر میں آنکھیں کھولیں، اور ہندوستان کی آزاد فضا میں پہلی سانس لی۔

بچپن میں کچھ شعور آگہی کے بعد تعلیم کی بسم اللہ محلے کے مدرسہ وحید المدارس سے ہوئی؛ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اُستاذِ محترم مربی اول حضرت مفتی محمد آفتاب صاحب مرحوم کے وہاں سے مدرسہ شمس العلوم سرائے ترین سنبھل منتقل ہونے کی وجہ سے آپ بھی اُستاذِ محترم کے ساتھ وہیں چلے گئے، ابتدائی تعلیم، عصری علوم، ناظرہ قرآن ودینیات اور حفظ کے ساتھ شعبہ فارسی تا شرح جامی (عربی چہارم) تک کے تمام تعلیمی مراحل اسی ادارے میں مذکورہ استاذ کے زیر تربیت طے پائے، پھر حصولِ علم کی غرض سے ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم تشریف لے گئے، اور مختصر المعانی (عربی پنجم) میں داخلہ ہوا۔

زمانۂ طالب علمی ایک محنتی، شریف الطبع اور نیک نام طالب علم کی حیثیت سے گذارا، ہم

درسوں، ساتھیوں میں نمایاں اور فائق رہے، شوق، لگن اور محنت سے پڑھا، ہمیشہ شریف بردبار اور بااخلاق طالب علم کے طور پر جانے پہچانے گیے، اساتذہ کی شفقتیں عنایتیں اور توجہ ہمیشہ حاصل رہیں، دارُالعلوم کے علمی اور نورانی ماحول میں تعلیمی مراحل کی تکمیل ۱۹۷۲ء میں ہوئی، سند فضیلت کے بعد عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے یگانۂ روزگار عبقری معلم حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی نور اللہ مرقدہٗ کی شاگردی میں اپنے کو سونپا، اور جوہری نے ہیرے میں تراش وخراش کر کے چمک اور نکھار پیدا کر دیا، اور مادرِ علمی ام المدارس سے آفتاب علم بن کر چمکے۔

۱۹۷۳ء میں تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ غازی آباد سے فرمایا اور دورۂ حدیث شریف تک کی کتابیں زیر درس رہیں، کچھ ہی دنوں میں ایک مشفق بافیض اُستاذ کی حیثیت سے شہرہ ملا، اور خادم الاسلام میں ۶ / سال کامیاب تدریسی زندگی گذارنے کے بعد وطن سے دوری اور گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے ۱۹۷۹ء میں اپنے ضلع کے ایک مؤقر ادارے مدرسہ دارالعلوم جامع الہدیٰ گل شہید مرادآباد تشریف لائے، اور تین سال تشنگانِ علوم نبوت کی پیاس بجھائی، صلاحیت، طبعی شرافت، طلبہ کے تئیں ہمدردی عربی زبان میں مہارت کی وجہ سے جامع الہدیٰ میں بے پناہ مقبولیت اور طلبہ کا اعتماد حاصل رہا اور آج تک لوگ آپ کو یاد کرتے ہیں۔

پھر قسمت نے یاوری کی اور ۱۹۸۲ء جامعہ دارالعلوم دیوبند میں مدرس عربی کی حیثیت سے تقررعمل میں آیا، دیکھتے ہی دیکھتے کچھ انفرادی خوبیوں کی بنیاد پر ایک کامیاب مشفق استاد سے شناخت قائم ہوئی، اور دارالعلوم کی علمی فضا میں نیک نامی مقدر بنی، اور آپ ہمیشہ طلبہ اور اساتذہ کے مابین مقبول ومحبوب رہے، ذمہ داروں کے درمیان اعتبار واعتماد کی دولت سے کبھی محروم نہ ہوے، دارالعلوم کے بہت سے داخلی تعلیمی وانتظامی شعبوں کی ذمہ داری بھی

آپ کے سپرد رہی، ناظم دارالاقامہ، ناظم امتحان اور ناظم نشر واشاعت بھی رہے، انتظام کی صلاحیت بھی خوب تھی، ۲۰۰۸ء سے تادم آخر دارالعلوم کے ایک کامیاب نائب مہتمم کے طور پر کام کرتے رہے، اور دارالعلوم کی تعمیر وترقی جو آپ کے نیابتِ اہتمام کے دور سے تعلق رکھتی ہیں، اس میں آپ کی جدوجہد اور بھاگ دوڑ کا بھی بڑا دخل ہے، اور ملی ہوئی ہر ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا کرتے۔

آپ کو عربی اردو دونوں زبانوں کا بڑا ستھرا ذوق ملا تھا، اور دونوں پر بھرپور قدرت بھی تھی، اور لکھنے پڑھنے کا شوق وذوق بھی تھا، اگرچہ بہت تصانیف وتالیفات آپ کی معرضِ وجود میں نہیں آسکیں؛ لیکن جو کچھ حضرت نے لکھا، اچھا لکھا، چاہے وہ ردمودودیت کا محاضرہ ہو، یا فتاویٰ عالمگیری کے ایک حصے کا ترجمہ ہو، یا شیخ عبدالمجید یمنی کی کتاب التوحید کا پانچ سو صفحات پر مشتمل عمدہ ترجمہ ہو، تمام تحریریں اہل علم وفن کے یہاں لائق اعتبار ثابت ہوئیں، اس کے علاوہ بے شمار کتابوں پر تقاریظ اور مختصر تحریریں آپ کے قلم سے وجود پزیر ہوئیں، اور مودودی کی تردید اوران کے گمراہ کن عقائد کا تذکرہ کبھی کبھی سبق کے دوران بھی آجاتا، اور بڑے لطیف انداز میں تنقید کیا کرتے۔

زمانۂ تدریس ہو یا نیابت اہتمام کا منصبِ عظیم، ابتدا سے انتہاء تک، نہ رویے میں تبدیلی، نہ انداز واطوار میں تغیر، نہ بڑاپن، وہی تواضع، انکساری، وہی فروتنی کا پیکر، اخلاق حسنہ کا نمونہ، چال ڈھال، نشست وبرخاست، گفتگو وملاقات، ملنے کا انداز، کسی بھی طور طریقے سے کبھی بھی یہ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ آپ اتنے مؤقر ادارے کے انتہائی عظیم منصب پر فائز ہیں، ہمیشہ اخلاق، محبت، تواضع اور کسر نفسی کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے، کیونکہ آپ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ باکمال شخص میں سب سے بڑا وصف تواضع وکسر نفسی ہی ہوسکتی ہے، یہی تمام خوبیوں کی جڑ اور تمام صفات حمیدہ کا سرچشمہ ہے، اس کے بغیر ہر بڑائی برائی بنجاتی ہے، اور اس خوبی کے ساتھ ہر عیب لائقِ چشم پوشی رہتا ہے،

اور حضرت الاستاذ کی پوری زندگی اسی وصف محمود کے قالب میں ڈھلی رہی، تو اضع کا عنصر ہر چیز میں نمایاں نظر آتا۔

حضرت الاستاذ کو اخلاق وافر مقدار میں ملا تھا، سادگی اور فروتنی کی تصویر اگر کوئی دیکھنا چاہتا تو اس چوکھٹے میں آپ بالکل فٹ آتے تھے، اٹھنے بیٹھنے میں نہ کوئی امتیاز، نہ ملنے ملانے میں عہدے کا بڑا پن، کہیں پر بھی سلام کر کے اپنا مدعا بیان کر لینا ایک عام سی بات تھی، کوئی ضرورت مند طالب علم راستہ چلتے ملتا تو ''جی ہم سے کوئی کام ہے'' کہہ کر کھڑے ہو جاتے اور پوری بات بغور سماعت فرماتے، آپ کے یہاں ملنے والوں کے لیے وقت کی کوئی قید اور پابندی نہ تھی، اتنے عظیم ہونے کے باوجود ہر وقت دستیاب رہتے، انتہائی سہل الحصول تھے، آپ کے یہاں متعارف اور غیر متعارف طلبہ کے درمیان فرق اور امتیاز کا کوئی خانہ نہ تھا، اجنبی اور شناسا سب کی پزیرائی کے دروازے کھلے رہتے تھے، ملتے تو ایسے مشفقانہ انداز میں کہ تھکن دور ہو جائے، روح ودل اطمنان وسکون کی لذت سے آشنا ہو جائے، گفتگو میں وہ اپنائیت اور مٹھاس کہ جس کی کیفیت کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا تبسم آمیز گفتگو، لفظوں کو دبا کر اور زور دے کر بولنے کا انداز کہ اس سے فرحت وانبساط کے پھول مہکنے لگتے، اور سادگی کا حال یہ تھا کہ جہاں بٹھا دیا بیٹھ گئے، جو کھلا دیا کھا لیا، نہ انکار نہ پرہیز نہ کسی بات کا عذر، اور دلداری میں بہت سی مرتبہ اپنا نقصان بھی برداشت کر لیتے، ضرورت مند کو مایوس کرنا جیسے آپ نے سیکھا ہی نہ ہو، پروگرام میں شرکت کی درخواست ہو، یا کتاب پر تقریظ اور مقدمہ لکھوانے کی فرمائش ہو، دارالعلوم کے کسی مسئلہ میں سفارشی تحریر ہو، آپ کے یہاں جملہ منفیہ گویا تھا ہی نہیں، اور دل داری کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی واقعہ مجلس میں زیر گفتگو ہے، اور ختم ہونے کے قریب ہے، کوئی نو وارد شاگرد پہنچ جاتا، تو بلا تکلف پورا واقعہ اس ایک شخص کی دل جوئی کی خاطر دہرا دیتے، اور اس میں حضرت والا کو کسی قسم کا کوئی تردد نہ ہوتا، درسگاہ میں

شفقت اور نرمی کا یہ حال کہ کسی طالب علم کے تاخیر سے خفیہ درسگاہ میں آنے پر دروازے کے بجنے کی آواز پر برجستہ فرماتے: ''شاید ہوا چھیڑ خانی کر رہی ہے'' اور نظر پڑ جانے پر بھی نظر انداز کر دیتے، اور کبھی دروازے کی آہٹ پر لطیف جملہ ارشاد فرماتے کہ ''اندر کے لوگ باہر جارہے ہیں، یا باہر کے لوگ اندر آرہے ہیں، ہر موضوع پر اردو اشعار از بر تھے، جسے بروقت موقع اور محل کے اعتبار سے فٹ کرنا آپ ہی کا امتیاز تھا، دیوان متنبّی کے سبق میں تشریح کے وقت شاید ہی کوئی سبق اردو شعر سے خالی رہا ہو، جملوں اور تعبیرات پر ملکہ حاصل تھا، خانہ زاد لطائف، مرتب جملے، برمحل اشعار، مسکراتی عبارتیں اس پر مستزاد تھیں، اور یہ اچھوتا انداز سبق کی اُکتاہٹ اور نشستوں کی بے زاری کے لیے تریاق کا کام کرتا، اور یہی انداز جلسوں اور محفلوں کا ہوا کرتا جس سے آپ کی گفتگو کے دوران سامع کبھی اُکتاہٹ اور بیزاری کا شکار نہ ہوتا، طبیعت یہ چاہتی کہ آپ بولتے جائیں اور ہم بہ گوش ہوش رہیں، اور اس میں کسی تصنع اور بناوٹ کی آمیزش نہ ہوتی، اس طرح کے جملے اور نوادرات فی البدیہہ ارشاد فرماتے: گویا کہ یہ آپ کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی، حضرت اپنی اداؤں اور انداز میں سب سے الگ تھلگ تھے، زندگی سادگی کی ایسی مثال جہاں کروفر، ٹیپ ٹاپ کا گذر نہیں تھا، عربی اور اردو دونوں زبانوں پر قدرت اور مہارت تھی، جس کا اندازہ گاہے بگاہے ہوتا رہتا، ادب کی کتابوں میں فرمائش پر کبھی کبھی پورا سبق عربی میں ہوا کرتا، متنبّی کے سبق میں ایک مرتبہ ایک ساتھی نے عربی زبان میں سبق پڑھانے کی درخواست کردی، تو کئی دنوں تک پورا سبق عربی میں ہوتا رہا، اور اس میں کسی قسم کا کوئی تکلف دیکھنے میں نہ آیا۔

مدرسہ شاہی کے ادب کے بچوں کی عربی انجمن النادی کے سالانہ اجلاس میں اکثر درخواست پر بہ خوشی حضرت تشریف لاتے اور ہمیشہ پروگرام سن کر مسرت کا اظہار فرماتے، اور پروگرام کے بعد وقت کی قلت کے باوجود گھنٹوں محبت بھری گفتگو حوصلہ افزا جملے ارشاد

فرماتے، ہر شخص کو آپ سے اُنسیت تھی، ہر آدمی سے آپ بڑی محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے، ہر مزاج اور ذہن کے لوگ آتے، اور آپ سب کے ساتھ خندہ پیشانی اور بلند اخلاقی کے ساتھ پیش آتے، اور ہر ملاقات میں آپ سے مل کر یہ دل چاہتا کہ دوسری ملاقات جلد ہو، اور چند گھڑی آپ سے قریب بیٹھنے کا موقع دوبارہ ہاتھ آئے، حضرت الاستاذ سب کے لیے اور خصوصاً طلبہ کے لیے انتہائی مفید تھے؛ بلکہ خیر الناس من ینفع الناس کے مصداق تھے، اور اتنا بے تکلف ہوجاتے کہ بعض مواقع پر کم توفیق خردوں کو جری دیکھا گیا؛ لیکن کبھی بھی رد میں آپ نے شرافت کی حد کو پار نہیں کیا، آپ کی ذات یقیناً ایک نعمتِ الٰہی تھی، اور آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے وہ نقوش دھندلے پڑتے نظر آرہے ہیں، جو اکابر اور بزرگوں کے اخلاص، تقویٰ وطہارت اور شرافت و پاکیزگی سے روشن تھے۔

ڈھونڈیں گے لوگ مجھ کو ہر محفل سخن میں
ہر دور کی غزل میں میرا نشان ملے گا

یقیناً آپ کئی مہینوں سے مریض تھے؛ مگر ایسے نہ تھے کہ جس سے یہ گمان ہوتا کہ آپ آناً فاناً ہمارے سامنے سے رخصت ہوجائیں گے؛ مگر وقت موعود آپہنچا، اور آپ اپنے آخری سفر پر اس طرح روانہ ہوگئے، جہاں جانے کے بعد صرف یادیں رہ جاتی ہیں، اور آپ چلے بھی گئے، اب وہی کسک، وہی ہو کا عالم، وہی آپ کی کمی ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی؛ لیکن آپ کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اُس کا پُر ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے؛ مگر وہ ذات چاہ لے جو ہر ہر چیز پر قادر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت الاستاذ کی بال بال مغفرت فرمائیں، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، درجات بلند فرمائیں، اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں، اور دارالعلوم اور ملت اسلامیہ کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔ (بحوالہ ندائے شاہی ستمبر ۲۰۲۱ء)

باہمہ و بے ہمہ، مرنجامرنج خندہ رو، خوردنواز، ہر دل عزیز

حضرت مولانا سنبھلی رحمہ اللہ

نائب مہتمم واستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء ——— ۱۴۴۲ھ / ۲۰۲۱ء

مفتی محمد شعیب علی گڑھی
اُستاذ عربی مدرسہ اصغریہ دیوبند

مجھ سے ہٹ کر دیکھیے، مجھ کو بھلا کر دیکھیے
میری اُلفت کا فسوں کچھ دُور جا کر دیکھیے

رمضان المبارک کے آخری اور شوال المکرّم کے پہلے عشرے میں دارالعلوم دیوبند کو یکے بعد دیگرے تین عظیم صدموں سے دوچار ہونا پڑا، جس سے پوری جماعتِ دیوبند ایک غیر معمولی کرب کی کیفیت میں مبتلا تھی؛ لیکن رفتہ رفتہ وقت گزرنے لگا اور یوں محسوس ہوا کہ اس فصلِ خزاں کے صدموں کا جو نصاب تھا، وہ کتنا ہی کٹھن سہی؛ مکمل ہوگیا اور اب مستقبل قریب میں اس نوع کے حادثے سے سابقہ نہیں پڑے گا؛ مگر کیا معلوم تھا کہ یہ وقفہ اس قدر مختصر ثابت ہوگا کہ سابقہ حوادث پر صبر آسکے گا، نہ اگلے زخم مندمل ہوں گے کہ پھر اسی نوع کا ایک اور عظیم حادثہ گوارا کرنا پڑے گا، یہ نیا حادثہ استاذِ گرامی قدر، حضرت اقدس مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی قدس سرہٗ نائب مہتمم واستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند کی رحلت کا ہے، جو ۲۰/ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰/جولائی ۲۰۲۱ء بہ روز جمعہ ستر سال کی عمر میں ہزاروں شاگردوں محبین و متعلقین کو سوگوار چھوڑ کر محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔

مختصر حالاتِ زندگی

حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی صوبہ اُترپردیش کے قدیم قصبہ سنبھل کے علاقہ: سرائے ترین کے محلّہ جھجھران میں، ۴/جنوری ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے، سنبھل اس وقت مرادآباد کا

ایک قصبہ تھا، اب مستقل ضلع بن چکا ہے، والدمحترم کا نام نصیراحمد تھا، جو ایک امانت دار تاجر ہونے کے علاوہ ادبی ذوق رکھتے تھے اور بہترین شاعر بھی تھے۔

تعلیم گاہیں

ابتدائی تعلیم سنبھل ہی میں مدرسہ وحید المدارس میں، اس وقت کے مشہور عالمِ دین، مولانا ومفتی محمد آفتاب علی خاں قدس سرہٗ کی زیرِ نگرانی حاصل کی، اور جب مولانا آفتاب صاحب سنبھل ہی میں مدرسہ شمس العلوم میں منتقل ہوئے، تو حضرت مولانا عبدالخالق صاحب نے بھی شمس العلوم میں ہی داخلہ لے لیا، یہاں دینیات اور ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد حافظ فریدالدین خاں صاحب کے پاس اسی ادارے میں حفظِ قرآن مکمل کیا، پھر یہیں پر آپ نے مولانا آفتاب صاحب سے فارسی سے شرح جامی تک کی تمام کتب پڑھیں، اس کے بعد ۱۹۶۸ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۹۷۳ء میں دورۂ حدیث سے فراغت پائی، اور امتحان سالانہ میں تیسری پوزیشن حاصل کی، ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں عربی زبان وادب میں مزید مہارت حاصل کی اور حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانوی رحمہ اللہ سے خوب استفادہ کیا، آپ کے رفقائے درس میں مولانا مجیب اللہ گونڈوی استاذِ حدیث وسابق ناظمِ تعلیمات دارالعلوم دیوبند، مولانا بدرالحسن قاسمی دربھنگوی، سابق استاذِ ادبِ عربی ومدیر پندرہ روزہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مشائخِ حدیث

بخاری شریف میں آپ کے پانچ شیوخ ہیں، جلد اوّل ابتداءً حضرت مولانا سیّد فخرالدین صاحب مرادآبادی سے پڑھی، ان کے وصال کے بعد کچھ دنوں تک حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ سے پڑھی، پھر کچھ دن مولانا فخرالحسن صاحب رحمہ اللہ سے، اس کے بعد مستقل طور پر بخاری شریف جلد اوّل مولانا شریف الحسن دیوبندی رحمہ اللہ سے متعلق کردی گئی، اس طرح بخاری جلد اوّل آپ کو چار بزرگوں سے پڑھنے کا موقعہ ملا، جب کہ

جلدِ ثانی مکمل حضرت فقیہ الامت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ مسلم شریف مکمل مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی سے، ابوداؤد مولانا عبدالاحد دیوبندی سے، ترمذی مکمل مولانا فخر الحسن مرادآبادی سے، نسائی مولانا محمد حسین بہاری سے، ابنِ ماجہ مولانا انظرشاہ کشمیری صاحب سے، شمائلِ ترمذی مولانا معراج الحق صاحب دیوبندی سے، شرح معانی الآثار مولانا نصیراحمد بلندشہری سے، مؤطا امام مالکؒ مولانا محمد نعیم دیوبندی سے اور مؤطا امام محمدؒ مولانا اسلام الحق اعظمی سے اور ان کی وفات کے بعد مولانا محمد سالم قاسمی سے بھی کچھ اسباق پڑھے۔ رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً (یہ تفصیلات حضرتؒ کے رفقائے درس: مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی، استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند اور مولانا بدرالحسن قاسمی کویت سے حاصل کی گئی ہیں، جزاہما اللہ خیر الجزاء۔)

تزکیہ وسلوک

آپ نے حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور سلوک کے مراتب طے کیے۔ ان کے بعد حضرت مولانا احمد علی آسامی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے، جو حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے اجلّ خلفائے میں سے تھے۔

میدانِ عمل میں

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۷۳ء کے اواخر میں آپ کا انتخاب بہ حیثیت مدرسِ عربی مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں ہوگیا، جس میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلی رحمہ اللہ کی کوششوں کا بڑا دخل رہا، یہاں آپ نے چھ سال تک خدمت انجام دی اور چھوٹی بڑی مختلف اہم کتابیں آپ سے متعلق رہیں، ۱۹۷۶ء میں جب خادم الاسلام میں دورۂ حدیث شریف کا آغاز ہوا، تو ابنِ ماجہ کا درس آپ سے ہی متعلق کیا گیا۔

۱۹۷۹ء میں دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد میں آپ کا تقرر ہوا، یہاں بھی ابتدائی جماعتوں سے عربی ہفتم تک کے اسباق آپ سے متعلق رہے، یہاں آپ کے قیام کی مدت

تین سال ہے۔

۱۹۸۲ء میں آپ کا دارالعلوم دیوبند میں تقرر عمل میں آیا، آپ کے ساتھ ایک ہی تاریخ میں حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی اور حضرت مولانا محمد نسیم بارہ بنکوی دامت برکاتہم کا بھی دارالعلوم دیوبند میں انتخاب ہوا۔ دارالعلوم میں آپ سے درجہ وسطیٰ اور پھر درجہ علیا کی بہت سی کتب متعلق رہیں، جن میں ''دیوانِ متنبّی، مشکوٰۃ المصابیح'' اور ''سنن ابنِ ماجہ'' خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

تدریس کے علاوہ دارالعلوم میں آپ کو دیگر خدمات کا بھی موقعہ ملا، ناظم دارالاقامہ، ناظمِ امتحان جیسی اہم ذمہ داریوں کے علاوہ ۲۰۰۸ء میں آپ کو نائب مہتمم کے باوقار منصب پر بھی فائز کیا گیا اور تاعمر آپ یہ ذمہ داری بہ حسن وخوبی نبھاتے رہے۔

فرقِ ضالہ کے تعاقب کے لیے دارالعلوم دیوبند میں تکمیلات کے طلبہ کے لیے محاضرات کا جو ایک مفید وکارآمد نظام قائم ہے، اس کے تحت آپ ردِّ مودودیت پر محاضرات بھی پیش فرماتے رہے۔

قلمی نقوش

جس طرح آپ کی گفتگو سلیس وشگفتہ تھی، آپ کی تحریریں بھی شستہ وشائستہ، دلچسپ اور معیاری ہوا کرتی تھیں، آپ کے قلمی نقوش محدود ہونے کے باوصف اپنے موضوع پر انفرادی شان کے حامل ہیں۔

(۱) آپ نے شیخ عبدالمجید زندانی یمنی کی ''کتاب التوحید'' کا اُردو ترجمہ کیا، جس کا نام آپ نے 'توحیدِ باری کائنات کے نظاروں میں'' تجویز فرمایا، یہ کتاب تقریباً ۴۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کا سن اشاعت ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء ہے۔

(۲) ردِّ مودودیت پر آپ کے محاضرات پانچ اجزا میں دارالعلوم دیوبند سے طبع شدہ ہیں اور تکمیلات کے نصاب میں شامل ہیں۔

(۳) ''شریعتِ مطہرہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اور غیر مقلدین کا موقف''
اپنے موضوع پر مختصر؛ مگر جامع اور پُر از معلومات رسالہ ہے، تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے، جمعیۃ کی طرف سے شائع شدہ ہے۔

(۴) فتاویٰ عالم گیری کے کتاب الایمان کا اُردو ترجمہ بھی آپ کے قلمی نقوش کا اہم حصہ ہے اور آپ کے علمی ذوق کا آئینہ دار بھی ہے؛ مگر فی الوقت کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ اس کے بارے میں صحیح علم نہ ہو سکا۔

اس کے علاوہ دیگر بہت سی مختصر تحریریں ہیں، جن میں ایک بڑا حصہ آپ کے قلم سے لکھی گئی مختلف کتابوں پر تقریظات کا ہے، آپ کی تقریظات یکجا کی جائیں، تو اچھا خاص مجموعہ تیار ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ تقریظ کے باب میں سب سے زیادہ سہل المنال دار العلوم کے بڑے اساتذہ میں آپ ہی کی ذات تھی، نوخیز مصنفین بھی اپنی کاوشوں کو معتبر بنانے کے لیے آپ سے تقریظ لکھوانے آجاتے اور آپ اپنی انکار نہ کر سکنے والی خُو کے باعث کچھ نہ کچھ ضرور لکھ دیتے، آپ کے بعد مصنفین کا یہ طبقہ اتنی بڑی تقریظ اتنی آسانی سے حاصل کرنے سے شاید محروم ہی رہے۔

بھولی بھالی شخصیت

''مولانا عبدالخالق سنبھلی'' یہ نام سنتے ہی ذہن کے پردے پر اُبھرنے والی تصویر کے یوں تو ہزار رنگ اور بے شمار جلوے ہیں، جن میں ہر جلوہ پُر شکوہ بھی ہے اور پُر کشش بھی؛ لیکن ان میں سب سے زیادہ نمایاں، سب سے زیادہ اُجلا اور سب سے زیادہ روشن جس پہلو کو کہا جا سکتا ہے وہ مولانا موصوف کی خوش خلقی، عاجزی و فروتنی، سادگی و بے نفسی کا ہر دل عزیز پہلو ہے، جو تمام پہلوؤں پر غالب اور حضرت والا کی شناخت بن گیا تھا۔

آدمی قابلیت میں کتنا ہی اُونچا مقام پالے، فضل و کمال کے کتنے بھی اعلیٰ درجہ تک پہونچ جائے اور کتنے ہی عہدوں اور مناصب تک اس کی رسائی ہو جائے؛ لیکن وہ خوش خلقی کی

دولت سے بہرہ مند نہ ہو، زیورِ اخلاق سے آراستہ نہ ہو، اس کا دل لوگوں کے لیے کشادہ نہ ہو، خندہ روئی سے اس کی شناسائی نہ ہو، بدمزاجی اس کی گھٹی میں پڑی ہو، نرم گوئی اس کے ہونٹوں سے گریزاں رہتی ہو، جب گفتگو کرتا ہو دلوں میں شگاف کرتا ہو، ہمہ وقت اس کے ماتھے پر سلوٹوں کے ڈیرے رہتے ہوں، ہم دردی، غم خواری، ایثار اور کسی کے کام آنے کا جذبہ کبھی اس کے دل میں نہ اُبھرتا ہو، ترش روئی، سنگ دلی، تنگ دلی، بے مروتی، احسان فراموشی، مردم آزاری، دل شکنی، خود پسندی اور مفاد پرستی جیسے بہت سے الفاظ کے معانی اسے دیکھ کر بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہوں، ایسا شخص اپنے تمام تر عہدوں، مناصب، قابلیت اور صلاحیت کے باوصف معاشرے میں ''اَچھوت'' بن کر رہ جاتا ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے عزت واحترام کا کوئی ذرّہ نہیں ہوتا، اس کے قرب سے لوگوں کو وحشت ہونے لگتی ہے اور اس کے وجود سے اس کا عدم ہزار درجہ عزیز ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جس شخص کو اخلاق کی دولتِ بے بہا حاصل ہوئی ہو، خوش خلقی، خوش مزاجی اور خندہ روئی سے اس کی صحبت معطر ہو، وہ دوسروں کے لیے جینے کا ہنر جانتا ہو، ضرورت مندوں کے کام آکر اسے قلبی سکون ملتا ہو، سب کے لیے عزت واحترام کا سچا جذبہ ہمیشہ اس کے دل میں موج زن رہتا ہو، جب بولتا ہو دلوں کو حوصلہ دیتا ہو، ہمت بڑھاتا ہو، غموں کو دھوتا ہو اور اُمیدیں جگاتا ہو، اس سے مل کر دلوں کو انبساط کی کیفیت ملتی ہو، ایسا شخص خواہ مال ودولت کے میدان میں پیچھے ہو، قابلیت کی ڈگریوں سے تہی دست ہو، عہدوں تک اس کی رسائی نہ ہو، اور اس کا نام لمبے چوڑے القاب وآداب سے گھرا ہوا نہ ہو؛ مگر یہ شخص معاشرے میں ہر دل عزیز ہوتا ہے، سب اس سے محبت کرتے ہیں، اس کے وجود کو غنیمت جانتے ہیں، اُسے کھونے سے ڈرتے ہیں، اس پر فخر کرتے ہیں اور اس کی ایک صدا پر ہزاروں لوگ ''لبیک'' کہنے کے لیے نکل پڑتے ہیں۔

اس حقیقت کے استحضار کے ساتھ باری تعالیٰ کے اس ارشاد کی صداقت کس قدر نمایاں

ہوجاتی ہے کہ: ''اگر آپ تندخوسخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہوجاتے''۔(آل عمران:۱۵۹،ترجمہ از بیان القرآن)

واقعی عالمِ اسباب میں اسلام کی شرق تا غرب اشاعت، اس لازوال و بے مثال جوہر کے ذریعہ ہی ممکن تھی، کہ یہی وہ تیشہ ہے، جس کے ذریعہ پتھر دلوں سے بھی محبت واخوت کے چشمے بہائے جاسکتے ہیں۔خوش بخت ہیں وہ لوگ جنھیں حسنِ اخلاق کی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی؛ بل کہ بہ فحوئ حدیث، انسان کی اچھائی کا معیار ہی اس کے اخلاق کی عمدگی ہے، جتنے اچھے اخلاق اتنا ہی اچھا انسان اور جس کے سب سے اچھے اخلاق وہی سب سے اچھا انسان۔

مولانا عبدالخالق سنبھلی انہی خوش نصیب وسعادت مند بندگانِ خدا میں سے تھے، جنھیں اخلاقِ حسنہ سے وافر حصہ عطا ہوا تھا، وہ سب کے لیے اچھے تھے، سب کے محبوب تھے، سب کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے، اور ہر کسی سے خندہ روئی سے ملتے، سب اہلِ تعلق کے احوال کی خبر گیری رکھتے، ان کی خوشی وغم میں شریک رہتے، ضرورت کے وقت مفید مشوروں سے نوازتے، ان کی ترقی میں اپنی حد تک ہر ممکنہ سعی فرماتے، نو واردوں سے بھی ایسے خلوص اور اپنائیت کا برتاؤ کرتے جیسے ان سے قدیم تعلق رہا ہو، عوام، طلبۂ علم اور علمائے کرام سب کا ان کی طرف رجوع تھا اور ان کا دل سب کے لیے ہمہ وقت خلوص ومحبت، شفقت ورافت اور ہم دردی وغم گساری کے مؤمنانہ جذبات سے معمور رہتا، ان سے تعلق رکھنے والوں میں ہر شخص کو یہ احساس رہتا کہ حضرتِ والا کو سب سے زیادہ تعلقِ خاطر مجھ سے ہے، ان کی صحبت سے کسی کو اُکتاہٹ نہ ہوتی؛ بل کہ ایک ملاقات کے بعد اگلی ملاقات کا اشتیاق بڑھ جاتا، اور ہر کہہ ومہہ ان کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ع

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں! کل جوشؔ سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

مولانا کے درس کی جھلکیاں

مولانا سے راقم نے عربی ہفتم میں ''مشکوٰۃ المصابیح: کتاب الادب'' اور دورۂ حدیث میں ''سنن ابنِ ماجہ'' پڑھی، عربی ششم میں آپ ''دیوانِ متنبّی'' بھی پڑھاتے تھے؛ مگر ہماری ترتیب الگ تھی، ہاں تکمیلات کے طلبہ میں ان کے ''ردِّ مودودیت'' پر محاضروں میں شرکت کی سعادت ضرور ملی، وہ درس پڑھانے کے لیے خصوصاً، دورۂ حدیث میں، بڑی شان کے ساتھ تشریف لاتے، بڑے اہتمام سے پڑھاتے اور بڑی شفقت کے ساتھ، احادیث کی تشریح کے وقت بہت پُر جوش ہوتے اور مستانہ وار چہک کر گفتگو فرماتے، لہجہ کبھی قدیم ترنم کا عکس لے لیتا، کبھی کہنہ مشق خطیب کا، کبھی جھوم کر خود عبارت پڑھنے لگتے اور عجیب انداز میں، کبھی ایک اِک لفظ جُدا جُدا، کبھی پوری روانی سے، ایک بات کو پہلے ایسے باوقار اور پُر شکوہ لہجہ میں کہتے کہ جیسے کوئی نامی گرامی مقرر، منبر سے اپنی شعلہ بیانی کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کے دروازوں پر دستک دے رہا ہو، اور اگلے ہی لمحہ تواضع کا رنگ غالب آجاتا، اب پہلی ہی بات کو دہراتے؛ مگر ایسے سادہ ومشفقانہ؛ بل کہ خوشامدانہ سے انداز میں، جیسے اپنے پہلے لہجے پر معذرت کررہے ہوں، ذرا دیر نہ ہوتی کہ پھر ''طارم اعلیٰ'' پر پہونچ جاتے، اور اگلے ہی لمحہ ''جی جی'' کہتے ہوئے پھر عاجزی کا مجسمہ بن جاتے، پورے سبق میں یہی نشیب وفراز، اُتار چڑھاؤ، فرش سے عرش اور پھر عرش سے فرش کا سفر جاری رہتا، اور رندانِ مے کدہ ساقی کے نرالے اندازِ نوازش پر بے خود ہوکر جھومتے، سر دھنتے اور مچلتے رہتے۔

دورانِ درس ظرافت آمیز جملوں، نشاط آور لطیفوں اور برمحل اشعار کی بھی پے بہ پے آمد رہتی؛ بل کہ ان کے درس کا یہی رنگ معروف ہوگیا تھا؛ حالاں کہ رنگِ ظرافت سے الگ ان کا درس تمام متعلقات واُمورِ ضروریہ کو حاوی ہوتا، ابنِ ماجہ جیسی کتاب میں، جس میں روایت ودرایت ہردو پہلو پر تشفی بخش گفتگو ناگزیر ہوتی ہے، مولانا کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑتے، ہر حدیث

پر سیر حاصل گفتگو کرتے اور کتاب کے متعلقات کی گرہ کشائی فرماتے؛ مگر یہ سب علمی وتحقیقی باتیں یوں ہنستے کھیلتے آجاتیں کہ ان کی اہمیت کا اندازہ نہ ہوتا، مولانا کا انداز چوں کہ ایسا سادہ و بے ساختہ تھا کہ بڑی وزنی باتیں بھی بڑی ہلکی پھلکی؛ بل کہ معمولی محسوس ہوتیں، جو طلبہ حضرت کے اس مزاج سے واقف ہوتے وہ تو بڑے چوکنے رہتے اور بروقت حضرت کی باتوں کو محفوظ کرنے کی کوشش کرتے، جب کہ دیگر بہت سے طلبہ ان علمی وتحقیقی جواہر سے زیادہ ظریفانہ باتوں کا حظ لینے میں رہ جاتے، اور مولانا کے انوکھے اسلوبِ گفتگو سے انھیں یوں لگتا کہ جیسے یہ باتیں تو عام ہیں اور گویا یہ تو ہمارے بھی دل میں ہیں؛ لیکن انھیں اس وقت بڑی مشکلات کا سامنا ہوتا، جب بعد میں وہ ابنِ ماجہ کی احادیث حل کرنے بیٹھتے اور شروحات کے جنگل میں دوٹوک اور فیصلہ کن بات تک پہونچے کے لیے انھیں پتہ پانی کرنا پڑتا، تب احساس ہوتا کہ مولانا کے درس کو مطلوبہ اہمیت نہ دے کر انھوں نے کتنی بڑی نادانی کی ہے۔

حضرت کے درس میں طلبہ کی جانب سے پرچیوں کا بھی ڈھیر لگ جاتا، اور حضرت کا معمول تھا کہ وہ ہر پرچی کو پڑھتے اور جواب مرحمت فرماتے، ان پرچیوں میں علمی سوالات کے علاوہ بہت سے ایسے بھی سوال ہوتے، جن کا درس سے دُور کا بھی تعلق نہ ہوتا، کوئی دعا کی درخواست کرتا، کوئی کسی مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کی، حضرت بڑے اہتمام سے دعا دیتے اور ایصالِ ثواب کرتے، کوئی انتظامیہ سے متعلق سوالات کرتا، کوئی مطبخ کے بارے میں، تو کوئی دفترِ اہتمام سے متعلق ہی سوال لکھ بھیجتا، مولانا ایسے سوالات کو پڑھ کر کبھی فرماتے کہ ''جی! یہ سوال درس سے متعلق نہیں ہے''، کبھی فرماتے کہ: ''جی! یہ موقعہ اس سوال کا نہیں ہے، اگر آپ اس کے متعلق دریافت کرنا چاہتے ہیں تو دفترِ اہتمام تشریف لائیے''، کبھی فرماتے کہ: ''غریب خانے پر تشریف لائیے'' اور پھر اپنے گھر کا راستہ بڑے البیلے اور دلچسپ انداز میں بیان فرماتے، کبھی جواب سے گریز کرتے کرتے بھی جواب ارشاد فرمادیتے، دراصل اس

نوع کی پرچیاں لکھنے والوں کو بھی جواب سے سروکار نہ ہوتا؛ بل کہ وہ تو حضرت والا کی زبانِ مبارک سے ادب کی خوشبو، لفظوں کی مٹھاس، تکلم کی نزاکت، لہجے کی ملاحت اور ان سب کے پردے میں آپ کی طبعی شرافت کے بے نظیر جلووں سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ بہ قولِ احمد ندیم قاسمی ع

فقط اس شوق میں پوچھی ہیں ہزاروں باتیں
میں ترا حسن ترے حسنِ بیاں تک دیکھوں

بے مثال حافظہ

مولانا نے حافظہ غضب کا پایا تھا، بہت پُرانی باتیں بھی اس تیقظ اور اعتماد کے ساتھ بیان کرتے، جیسے یہ ابھی کل کی باتیں ہوں، ہاپوڑ کے زمانۂ قیام کی بہت سی دلچسپ یادیں ان کے ذہن میں محفوظ تھیں، دارالعلوم دیوبند میں تقرر کے لیے انٹرویو میں انھوں نے ادبِ عربی میں اپنی لیاقت کے اظہار کے لیے جو عربی تقریر کی تھی، چالیس سال گزرنے پر بھی وہ انھیں یاد تھی اور اسے گاہے گاہے سنایا بھی کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ملاقات وتعارف کے بعد اگلی مرتبہ دوبارہ تعارف کرانے کی عموماً ضرورت پیش نہ آتی، وہ نہ صرف یہ یاد رکھتے کہ آپ کون ہیں؟ نام و پتہ کیا ہے؟ بل کہ جس حوالہ سے آپ نے پہلے ملاقات کی تھی، اس کا بھی انھیں اکثر استحضار رہتا۔

اپنے اساتذہ، خصوصاً دارالعلوم دیوبند میں، جو بزرگ آپ کے اساتذہ رہے، ان کے احوال؛ نیز دارالعلوم میں اپنے رفقاء کی سرگزشت، دورانِ طالبِ علمی ان کی قیام گاہوں کی تفصیل، ان کا رہن سہن، اور پھر ان کی موجودہ سرگرمیاں اور ان سے حالیہ رابطوں کی نوعیت، پوری تفصیل کے ساتھ بتانے کے لیے انھیں ذہن پر زور ڈالنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اساتذہ ورفقا کے علاوہ مشہور شخصیات خواہ وہ اہلِ علم ہوں یا ان سے ربط وعقیدت رکھنے والے حکماء، اطبا اور دانش وران، ان کے احوال، ان کی باہمی رشتہ داریاں اور علماء سے ان کی

محبت وعقیدت کا پس منظر (جس میں عموماً یہی بات آتی کہ ان کے دادا حضرت مدنی رحمہ اللہ سے عقیدت رکھتے تھے، ان کے نانا کا حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ سے تعلق تھا، ان کے فلاں بڑے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ سے بیعت تھے) وغیرہ وغیرہ بے شمار باتیں انھیں یاد تھیں، جن کے سننے کے لیے ان سے کسی تقاضے کی ضرورت تھی، نہ ان کے نشاط کے وقت کا انتظار کرنے کی، بس اتنا کافی تھا کہ وہ فرصت میں ہوں اور ذرا بات چھڑ جائے، بس پھر آپ دیکھیے کہ آپ اپنے بڑوں کے شاندار ماضی کی کیسی کیسی حسین وادیوں کی سیر کرتے ہیں اور کتنے ہی نادیدہ کردار آپ کے سامنے جلوے بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ ع

اِک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

دورانِ سفر عموماً ان سے یہ یادگار باتیں سننے کا خوب موقعہ ملتا اور میلوں کا سفر یوں کٹ جاتا کہ ذرا احساس نہ ہوتا، باتوں اور یادوں کی دلکشی اپنی جگہ، بیان کا حسن لہجے کی شیرینی اور الفاظ کا جمال اس پر مستزاد۔

بے شمار اشعار اُنھیں یاد تھے، جو ذرا سی مناسبت سے ان کی زبان پر آجاتے، لطیفوں کا ایک ذخیرہ سمیٹے ہوے تھے، نت نئی تعبیرات، نادر تراکیب، اور اَچھوتے الفاظ کا ایک کم دیدہ جہاں ان کے خانۂ خیال میں آباد تھا، جہاں سے ہنگامِ گفتگو تازہ بہ تازہ جواہر پاروں کی آمد ہوتی رہتی اور محفل کی رونق ورعنائی کے نت نئے اسباب کی فراوانی رہتی۔ ؎

بہت لگتا تھا جی صحبت میں اُن کی
وہ اپنی ذات میں اِک انجمن تھے

غیبت سے پاک مجلس

اُن کی مجلس میں تذکرے تو بہت لوگوں کے ہوتے، بہت سے اگلوں اور پچھلوں کا ذکر سننے کو ملتا؛ مگر فقط ذکرِ خیر، کسی کی بُرائی یا غیبت ان کی زبان پر نہ آتی، سب کی خوبیاں، کمالات اور کارنامے ہی سناتے، جیسے ان لوگوں میں کوئی قابلِ تنقید و مذمت بات تھی ہی نہیں، یا تھی تو؛

مگر مولانا کو صرف خوبیاں یاد رکھنے پر قدرت تھی، خامیاں انھیں یاد ہی نہیں رہتی تھیں، گویا اس حوالے سے حافظہ بے حد کمزور واقع ہوا تھا، جیسے انور شعور نے کہا ہے۔

قوی بھی ہے ضعیف بھی، ہمارا حافظہ شعور
مزے تمام یاد ہیں، عذاب ایک بھی نہیں

مولانا کی یہ خوبی بے حد قابلِ تعریف اور لائقِ تقلید تھی؛ ورنہ اچھے اچھوں کی مجلسیں غیبت کی نحوست سے محفوظ نہیں دیکھی جاتیں۔

دارالعلوم دیوبند کے عمومی نمائندہ

وہ دارُالعلوم دیوبند کے ایک ایسے نمائندے تھے، جو ہر طبقے میں دارالعلوم کی نمائندگی کے لیے موزوں اور قابلِ اطمینان سمجھے جاتے، مدارس کے چھوٹے بڑے پروگرام، عوامی اصلاحی جلسے اور دیگر دینی تقریبات تو ان کا میدانِ عمل تھیں ہی، فقہی سمیناروں اور ملی مسائل پر غور وخوض کے لیے منعقدہ اہم کانفرنسوں میں بھی اُن کو اہمیت کے ساتھ دعوت دی جاتی اور آپ ہر جگہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دارالعلوم کی نمائندگی کرتے نظر آتے؛ نیز دارُالعلوم دیوبند میں آنے والے مہمانانِ کرام جہاں دارُالعلوم میں کسی بزرگ کے یہاں علمی رنگ اور فضل وکمال کے جلووں سے قلب ونظر کو روشن کرتے، کسی کے یہاں جا کر ''درمدرسہ خانقاہ دیدیم'' کا اعتراف کرتے، تو کسی سے مل کر وہ ایک اعلیٰ سیاسی دماغ سے روبہ رو ہوتے، وہیں ایک جگہ ایسی بھی تھی جہاں انھیں ایک سیدھے سادے بھولے بھالے ''غـرّ کـریم'' انسان کی زیارت ہوتی، یعنی حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی قدس سرہٗ جو اپنے اسلاف کی بے نفسی، تواضع، فروتنی اور خلوص کی وراثت سنبھالے، ہر آنے والے کے لیے شفقت ومحبت، ایثار واپنائیت کے شگفتہ پھول لیے ہمہ وقت ''خوش آمدید'' کہنے کو تیار رہتے۔

ہمیشہ ہاتھوں میں رہتے ہیں پھول اُن کے لیے
کسی کو بھیج کے منگوانے تھوڑی ہوتے ہیں

مسلکی تصلّب

تواضع، طبعی شرافت، بھولے پن اور سادہ مزاجی کے یہ معنیٰ ہرگز نہ تھے کہ وہ مسلکی معاملات میں صلحِ کل کا نظریہ رکھتے ہوں، یا کسی چھوٹی سے چھوٹی بات میں وہ اپنے اکابر کے نظریہ سے ایک قدم پیچھے ہٹنے کے لیے آمادہ ہوجائیں اور فکری طور پر غیرمحتاط کوئی بھی فرد یا تنظیم ان سے اپنے مطلب کی بات کہلوانے میں کامیاب ہوجائے، ایسا ہرگز نہ تھا؛ بل کہ وہ مسلک کے معاملہ میں انتہائی حساس واقع ہوئے تھے، وہ قاسمیت کے سچے ترجمان تھے اور دورانِ درس وہ دیوبندیت کے تئیں طلبہ کے دلوں میں عشق کی تخم ریزی فرماتے، ایک قاسمی کی شان کیا ہونی چاہیے؟ اور وہ کون سے اوصاف ہیں جن کا حامل حقیقی قاسمی کہلانے کا حق رکھتا ہے؟ وقفے وقفے سے وہ اس پر روشنی ڈالتے رہتے اور ''فکری اعتدال'' جس سے ''دیوبندیت'' عبارت ہے، ان کی تحریر وتقریر کا مرکزی عنوان رہا کرتا، اور جن لوگوں نے اس راہِ اعتدال سے انحراف کیا، ان کی بھی وہ اپنے انداز میں خوب خبر لیتے، گمراہ فرقوں کے نام بھی اُنھوں نے اپنے انداز پر تجویز فرمائے تھے، قبر پرستوں کو وہ ''قبریے'' سے یاد کرتے، مودودیوں کے لیے ''مودودیے'' نام تجویز ہوا تھا، اور غیر مقلدین کو اُنھوں نے ''جاہلانِ مجتہد'' کا برمحل خطاب دے رکھا تھا۔

ردِّ مودودیت آپ کا خاص موضوع تھا، ایک مرتبہ حضرت والا سنبھل کے علاقہ میں کسی جگہ تشریف لے گئے، مسجد میں نماز پڑھی، تو بہت سے لوگوں نے آپ سے ملاقات کی، انھی میں ایک صاحب جن کے بارے میں حضرت کو علم تھا کہ وہ مودودیت زدہ ہیں، ملنے آئے اور حضرت سے پوچھ بیٹھے کہ مولانا صاحب! دارالعلوم میں آپ کی اہم مصروفیات کیا ہیں؟ حضرت نے فرمایا: ''میں ردِّ مودودیت پر کام کررہا ہوں''، وہ صاحب جز بز ہوئے اور تنک کر بولے: ارے مولانا! کوئی دین کا کام کرلیجیے، مولانا نے فرمایا: احقاقِ حق اور ابطالِ باطل دین کی سب سے بڑی خدمت ہے، وہ صاحب اپنا سا منہ لے کر واپس چلے گئے۔

حلیم الطبع، بے ضرر اور ہمہ وقت شاداں رہنے والے

وہ عمر کی ساتویں دہائی پوری کر رہے تھے، عمر کا یہ مرحلہ وہ مرحلہ ہے جس میں عموماً مزاج میں چڑچڑاپن آجاتا ہے، طبیعت کے خلاف ذرا سی بات بھی برداشت نہیں ہوتی، ضعف وناتوانی کے سبب غصہ ناک پر ڈیرا ڈالے رکھتا ہے، تحمل کا عنصر اپنا کام کرنا تقریباً چھوڑ دیتا ہے، حفیظ جالندھری نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ عجب مرحلۂ عمر ہے یا رب کہ مجھے
ہر بُری بات بُری بات نظر آتی ہے

حضرت مولانا سنبھلی کا کمال یہ تھا کہ عمر کے اس مرحلے پر بھی انھیں کبھی کسی نے غصہ کرتے ہوے، کسی کو ڈانٹتے ہوئے، کسی سے سختی سے پیش آتے ہوئے؛ بل کہ کسی کو بہ راہِ راست ٹوکتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ ناممکن ہے کہ انھیں ناخوش گوار باتیں پیش نہ آتی ہوں، خلافِ طبیعت اُمور سے سابقہ نہ پڑتا ہو، تلخیوں کا سامنا نہ ہوتا ہو، دیگر لوگوں کی طرح ان کی زندگی میں بھی نشیب وفراز سب کچھ تھا؛ مگر تحمل کی غیر معمولی طاقت کے سبب وہ ہمیشہ شاداں وفرحاں نظر آتے، جیسے ان کی زندگی میں کسی غم کا گزر ہی نہ ہو یا انھیں کسی بات سے تکلیف ہی نہ ہوتی ہو۔

ستر سالہ طویل زندگی اس احتیاط سے گزار دینا کہ کسی کو زبان یا ہاتھ سے ناحق کوئی تکلیف نہ پہونچے "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ" کی ایسی عملی تصویر بنے رہنا کہ جس پر ذرا بھی دھند نہ آنے پائے اور "خالق الناس بخلق حسن" کے سانچے میں ڈھل کر سراپا اخلاقِ حسنہ بن جانا، عبدالخالق سنبھلی ہی کا حصہ تھا، اس مردِ خلیق وباصفا سے ممکن ہے، بعض حضرات کو کسی موقع پر یہ شکایت ہوئی ہو کہ فلاں معاملہ میں مولانا نے نرمی اور چشم پوشی کا رویہ اپنایا، جب کہ وہاں سختی سے نمٹنا چاہیے تھا اور باز پرس اور دار وگیر سے کام لینا چاہیے تھا؛ لیکن یہ شکایت شاید کسی ایک شخص کو بھی نہ ہوئی ہوگی کہ مولانا نے میرے ساتھ یا فلاں شخص کے ساتھ کسی معاملے میں زیادتی کی، یا بے جا دار وگیر کی، یا بے

موقع ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا یا کسی امر پر تنبیہ میں دل آزاری کی حدوں کو چھوا۔ ایک عالمی ادارے کے ایک ذمہ دار عہدے پر طویل مدت تک سرگرمِ عمل رہنے والے کے بارے میں یہ دعویٰ آسان نہیں ہوتا، بہت سے اُصول پسند سمجھے جانے والے اور ضوابط کے پابند کہے جانے والے بھی کتنی ہی مرتبہ اپنے عمل سے ماتحتوں کی دل آزاری کر جاتے ہیں، جب کہ اس امر میں وہ خود خطا پر ہوتے ہیں اور اُنھیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ ؎

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

رہے یگانہ ہم انجمن میں

مولانا عبدالخالق سنبھلی اپنی نشست و برخاست، رفتار و گفتار اور تمام معاملاتِ زندگی میں ایک الگ ہی وضع کے انسان تھے، ان کے رہن سہن، بود و باش اور سفر و حضر کی تمام سرگرمیوں میں ایک عجیب قسم کی بے ساختگی، بے تکلفی اور سادگی نمایاں تھیں، وہ ہر ایک کے لیے خاص بھی تھے اور سب کے لیے عام بھی، وہ قدرت کی عام نعمت کی طرح تھے، جسے ہر کوئی اپنے انداز پر برت سکتا تھا۔ جس وقت چاہو اُن سے مل لو، جیسے معاملہ میں چاہو ان سے تبادلۂ خیال کرلو، جہاں چاہو انھیں بلا لو، پُر تکلف یا بے تکلف جیسے انداز میں چاہو ان سے پیش آؤ، جس طرح کے لوگوں کو چاہو ان سے ملانے لے جاؤ، کسی بھی جائز مطالبہ میں ان سے اصرار کرو، خواہ مطالبہ پورا نہ ہوتا؛ مگر وہ بُرا نہ مانتے، اپنی کسی بھی پریشانی کو لے کر ان کی خدمت میں چلے جاؤ، مسئلے کا حل نہ ملے؛ مگر وہ آپ کو غیر معمولی تسلی اور حوصلہ ضرور دیں گے، دارالعلوم کے نظام سے متعلق کوئی بھی معاملہ آپ پر مشتبہ ہو، آپ فون پر ہی ان سے رابطہ کرلو، وہ نہ صرف آپ سے کھل کر بات کریں گے؛ بل کہ آپ کے شبہ کا تشفی بخش ازالہ بھی فرمائیں گے اور آپ کے سامنے وہ تمام تفصیلات خود ہی رکھ دیں گے، جن کا اظہار خلافِ مصلحت نہ ہو اور اس دوران اندازِ گفتگو ایسا ہوگا کہ جیسے وہ آپ پر کوئی احسان نہ کر رہے ہو؛

بل کہ خود آپ نے ان سے دریافت کرکے ان پر احسان کیا ہو اور وہ جواب دیتے ہوے عاجزانہ لہجے میں آپ کا شکریہ بھی ادا کر رہے ہوں، اگر وہ کسی بات کو بتانے میں کچھ جھجک سے رہے ہوں، یا بہ تکلف بات کا رُخ موڑ رہے ہوں، تو سمجھ لیجیے کہ اس بات کا بتانا ان کے نزدیک خلافِ مصلحت ہے، یہ انتظار نہ کیجیے کہ وہ صاف انکار کریں گے؛ کیوں کہ وہ صاف انکار پر قدرت ہی نہیں رکھتے، ان سے ''نہیں'' کہا ہی نہیں جاتا، بہ قول فرزدق:

ما قال لا قطّ إلّا في تشهّده ❖ لو لا التشهد كانت لاؤهٗ نعم

(میرے ممدوح نے کلمۂ شہادت کے سوا کبھی ''نہیں'' کہا ہی نہیں، اگر کلمۂ شہادت نہ ہوتا، تو ان کی نہیں کے معنیٰ بھی ''ہاں'' ہوا کرتے)

باتیں اُن کی یاد رہیں گی

ان کی محفلِ عنبریں کی بہت سے حسین جملے بہت سی دل آویز باتیں، ان کے خوشہ چینوں کے ذہن ودماغ میں یادوں کا گل دستہ بن کر مہکتی رہیں گی، ''گوشہ گوشہ'' کے ساتھ ''شوشہ شوشہ'' کی بندش ہم نے انہی سے سنی، ''خواتین'' کے مقابلے میں ''خوادو'' کا انکشاف بھی ہمارے سامنے اُنھوں نے ہی کیا، جدید تعلیم یافتہ وہ ڈگری ہولڈرس جو مدارسِ اسلامیہ پر قدامت پسندی اور دقیانوسی کا الزام لگانے لگتے ہیں اور خود کو دین کا بڑا عالم سمجھتے ہیں، مولانا اُن کی اپنے انداز میں خبر لیتے ہوے فرماتے کہ: یہ جتنے بھی ''ٹر'' والے ہوتے ہیں بیرسٹر، ڈاکٹر، منسٹر، ماسٹر اُنھیں علومِ دینیہ کی ہوا بھی نہیں لگی اور سوٹ بوٹ پہن کر، ٹائی لگا کر یوں سمجھتے ہیں کہ ''ہم چو من دیگرے نیست''۔

اسی تناظر میں لطیفہ سناتے کہ کسی جگہ شعبہ اُردو میں تقرری کے لیے انٹرویو لیا جا رہا تھا، انٹرویو لینے والے سے جب اُمیدوار کی لیاقت کے متعلق دریافت کیا گیا، تو اس نے کہا: باقی تو سب باتیں ٹھیک ہیں؛ مگر ذرا تَلَفُّظ کمزور ہے، ایسے موقع پر خاص انداز میں فرمایا کرتے: **ذلک مبلغھم من العلم** ''یہ ان کا علمی جغرافیہ ہے''، ''صرف ونحو'' میں یہ نکتہ ارشاد

فرماتے کہ طلبہ ''صرف ونحو'' نہیں سیکھتے؛ بل کہ ''صَرف نہ ہو'' یعنی ''خرچ نہ ہو کا'' اُصول سیکھ لیتے ہیں۔ ایک عنوان اُن کی گفتگو میں گلابی عربی کا تھا، جسے وہ اپنے استاذِ گرامی حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانوی رحمہ اللہ سے بہ سند متصل بیان فرماتے ''گوبھی'' عربی: قـل أيضًا (قل کا فارسی ترجمہ ''گو'' اور أيـضًـا کی اُردو: ''بھی'' سے مرکب)، فعلت الوضوء، أكلت القسم جیسے متعدد اُردوزدہ عربی جملے اس عنوان کے تحت آتے، اس قبیل کا ایک عنوان ''بھینسیا عربی'' کا بھی تھا، اس کی شرح یہ تھی کہ کسی شخص نے عربی زبان سیکھنی شروع کی، ابتدا میں آسانی کے لیے اسے وہی الفاظ بتائے گئے جو عربی اُردو ہر دو زبان میں مستعمل ہیں، مثلاً: یہ کتاب ہے ''هٰـذا کتابٌ''، یہ قلم ہے ''هٰذا قلمٌ''، یہ مدرسہ ہے ''هٰذهٖ مدرسةٌ'' وغیرہ، یہ صورتِ حال دیکھ کر اس کے ذہنِ رسا نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عربی تو بڑی آسان ہے، بس دو پیش کی تنوین لگاؤ اور عربی تیار ہے؛ چناں چہ اگلے ہی دن اُنھوں نے عربی زبان سیکھنے میں مزید وقت کے ضیاع سے احتراز کرتے ہوے دعویٰ کر دیا کہ ہمیں تو عربی آ گئی ہے، اب ان سے کوئی پوچھ بیٹھا کہ ذرا اس جملے کی عربی بناؤ ''یہ بھینس ہے'' اُنھوں نے برجستہ کہا: ''هٰـذا بهيـنـسٌ'' یہیں سے ''بھینسیا عربی'' ایجاد ہوئی، کہ بس تنوین لگاؤ اور عربی تیار۔ احادیث کو اپنی ناقص فہم کا تختۂ مشق بنانے والے نام نہاد اہلِ حدیث (اور مولانا کی زبان میں ''جاہلانِ مجتہد'') کے اس نمائندے کا ذکر بھی مولانا بڑے مزے لے کر فرماتے، جس نے ''لَا صلاة إلا بحضور القلب'' کو ''لا صلاة إلا بحضور الكلب'' پڑھا اور پھر عمل بالحدیث کے بے جا اصرار نے اسے دورانِ نماز اپنے پاس ایک ''سگِ بے گناہ'' کو بھی باندھ لینے پر مجبور کر دیا۔

بہت سے اشعار جو ابتداءً اُنہی سے سنے اور بار بار سنے، اب ان کے خیال میں آتے ہی مولانا کا تصور خود بہ خود ذہن کے آئینے میں اُبھر آتا ہے۔

تم ہی کو یاد کرتا ہے مجھے جو دیکھ لیتا ہے
کوئی مجھ سے نہیں اتنا قریں جتنے قریں تم ہو

''حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے''، عموماً اس شعر کا صرف یہی مصرع پڑھتے، یاد

نہیں پڑتا کہ حضرت نے خود کسی موقع پر اس مصرعہ کے ساتھ مزاحاً دوسرے مصرعہ کی بندش لگائی تھی، یا وہ ہمارے بعض احباب ہی کی کارستانی تھی، جس کے بعد یہ شعر یوں مکمل کیا گیا:

حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے گئے
اور جب اُٹھنے کو کہا ان سے تو بس لیٹ گئے

جب کہ اصل شعر یوں ہے:

حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہوں گے تِری محفل سے اُبھرنے والے

ایسے ہی حضرت ہی سے یہ اشعار بھی بارہا سنے:

بڑھائی شیخ نے داڑھی اگرچہ سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گل گوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے مجلس میں ''معاذ اللہ'' کہہ دینا

تمھیں تو بزم میں پہلے سے ہی موجود رہنا تھا
یہ دنیا کیا کہے گی شمع پروانوں کے بعد آئی

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

غرض ان کے یہاں ایسے ادیبانہ وظریفانہ حوالے بے شمار تھے، ہر بات نرالی، ہر اَدا منفرد اور ہر انداز دلکش تھا، اب یہ خوش گوار باتیں فقط یاد بن کر رہ گئی ہیں، جن کی یہ باتیں ہیں وہ ہم سے بہت دُور جا چکے ہیں۔

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا
پڑھتے کسو کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

ایک یادگار نظم

عربی ہفتم میں جب آپ نے ہمیں مشکوٰۃ کا آخری درس دیا، تو راقم نے حضرت کی شان میں کچھ منظوم کلام کہا تھا جو بعد میں پھر ابنِ ماجہ کے آخری درس میں بھی پڑھا گیا اور ہمارے بعد کے سالوں میں بھی وہ دورۂ حدیث میں حضرت کے آخری درس کے موقع پر پڑھا جاتا رہا، اگرچہ وہ طالبِ علمانہ تک بندی سے بڑھ کر کچھ نہیں؛ مگر بعض احباب کا اصرار تھا کہ اسے بھی اپنی تحریر میں شامل کردوں، اس کے چند اشعار کچھ یوں تھے:

(۱) حضرتِ استاذِ مشفق حضرتِ شیخِ زمن
اے امیرِ کارواں اے ناطقِ شیریں سخن

(۲) آہ دل کا مدعا ہم کس طرح تم سے کہیں
درد یہ تیری جدائی کا بھلا کیسے سہیں

(۳) اور کچھ رُک جائیے کچھ اور فرما جائیے
دل کی حسرت جب تلک پوری نہ ہو مت جائیے

(۴) ہو کے سب کچھ آپ نے کچھ خود کو سمجھا ہی نہیں
آپ جیسا بھولا بھالا ہم نے دیکھا ہی نہیں

(۵) گفتگو تھی آپ کی یا موتیوں کی اِک لڑی
زلفِ پیہم اس کو کہیے یا کہ ساون کی جھڑی

(۶) یاد آئے گا ہمیں رہ رہ کے اور تڑپائے گا
وہ اَنوکھا تیرا طرزِ گفتگو یاد آئے گا

(۷) پیکرِ صدق و صفا ہو تم یقیناً ہو ولی
''گوشہ گوشہ شوشہ شوشہ'' تم سراپا سادگی

(۸) وصل کی شب آخری ہے آخری ہے آخری
بھرلو آنکھوں میں یہ منظر آخری ہے آخری

(۹) اور ہو اُونچی تری پرواز ہے دل کی دعا
ساتھ ہم دنیا میں بھی عقبیٰ میں بھی پائیں ترا

(۱۰) بیچتے تھے جو دوائے دل بڑھاتے ہیں دکاں
لے کے اس بے چین دل کو اب بھلا جائیں کہاں

(۱۱) وعدۂ فردا تو ہے پر کیا خبر کل ہو نہ ہو
آج جو موجود ہے یاں کیا خبر کل ہو نہ ہو

آخری ملاقات

ذی قعدہ کی ابتدائی تاریخوں میں ہمیں جب یہ خبر ملی کہ حضرت والا کی طبیعت زیادہ ناساز ہے، یرقان نے شدت اختیار کرلی ہے اور ضعف بڑھتا جاتا ہے، ایک روز بعد نمازِ عصر رفیقِ مکرم مولانا احمد میرٹھی حفظہ اللہ کے ہمراہ حضرت کے دولت کدے پر حاضری ہوئی، حضرت کے صاحب زادے مفتی عزیر صاحب نے اندر آنے کی اجازت دی، دیکھا کہ حضرت والا کا رنگ بالکل زرد پڑچکا ہے، بدن بالکل سوکھ چکا ہے اور ہڈیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، بڑی تکلیف ہوئی، حضرت والا آرام فرمارہے تھے، زائرین کو بس زیارت کی اجازت تھی، حضرت بات چیت کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے، بس خاموش لیٹے ہوئے تھے، بندہ نے بھی چند لمحے بیٹھ کر زیارت کی، مہمانوں کی کثرت کے سبب زیادہ دیر تک بیٹھنا مناسب نہ سمجھا اور اُٹھ کر چل دیا؛ مگر نگاہیں حضرت ہی کی جانب تھیں، یکا یک حضرت نے آنکھیں کھولیں، ناچیز کی طرف التفات فرمایا، تو دیکھتے ہی ایسے ہی تبسم فرمایا جیسے کہ وہ اپنی صحت کے ایام میں فرماتے تھے، بندہ بھی حسرت بھری نظروں سے نگاہِ شفقت کا نگاہِ عقیدت سے خاموش جواب دیتا ہوا کمرے سے

باہر آ گیا؛ مگر اس تبسم کا دل پر خاص اثر ہوا اور اب تک بھی اس کا منظر نگاہوں میں بسا ہوا ہے، رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ حضرت والا کو اتنی سخت تکلیف میں بھی خوردوں کی دلجوئی کا کتنا خیال تھا، حیف کہ یہ زیارت آخری زیارت اور یہ شفقت بھری نگاہِ التفات، سلام الوداع ثابت ہوئی، جو تاعمر ذہن ودماغ پر ثبت رہے گی اور رہ رہ کر تڑپاتی رہے گی۔ ؎

یوں بچھڑنا بھی بہت آساں نہ تھا اس سے مگر
جاتے جاتے اس کا وہ مُڑکر دوبارہ دیکھنا

علالت ووفات

آپ نے طویل عمر کے ساتھ اچھی صحت پائی تھی، ہلکا پھلکا بدن اور جوانی کی سی پھرتی، کوئی قابلِ ذکر بیماری بھی آپ کو نہ رہی تھی؛ لیکن قریب ایک سال قبل آپ دیوبند ہی میں ایک جگہ پروگرام میں شرکت کرکے واپس ہورہے تھے کہ پاؤں پھسلا اور آپ گر گئے، اور کولہے کی ہڈی میں سخت چوٹ لگی، اس کے بعد ڈاکٹروں نے شوگر کا بھی انکشاف کیا؛ مگر یہ مرض وقت گزرنے کے ساتھ دُور ہونے لگا تھا اور آپ ابتداء سہارے سے اور پھر بغیر سہارے کے چلنے پر بھی قادر ہوگئے، اخیر میں آپ کو یرقان کی شکایت ہوئی، علاج میں کسی طرح کی غفلت نہیں برتی گئی، مرض میں اُتار چڑھاؤ بھی ہوا؛ مگر مکمل شفاء نہ مل سکی، بعد میں مختلف جانچوں کے ذریعہ اطبا نے سرطان جیسے مہلک مرض کا اثر بھی تجویز کیا، ہر طرح کے علاج ومعالجہ کے باوجود طبیعت گرتی چلی گئی، بالآخر ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ شام ساڑھے چار بجے مظفرنگر کے ''احمد ہاسپٹل'' میں نمازِ عصر سے قبل آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کردی، جنازہ دیوبند میں لایا گیا، اور ساڑھے گیارہ بجے شب احاطۂ مولسری میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی، دارالعلوم کے موجودہ مہتمم حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور مزارِ قاسمی میں تدفین عمل میں آئی۔ ع

وہی بزم ہے وہی دھوم ہے وہی عاشقوں کا ہجوم ہے
ہے کمی تو بس اسی چاند کی جو تہِ مزار چلا گیا

جامع الکمالات ممتاز شخصیت

مفتی محمد عابد یسع قاسمی مظاہری

صدر دارُالافتاء جامعہ بلاس پور

از ہر ہند دارالعلوم دیو بند کے نائب مہتمم واستاذِ حدیث وادب حضرت مولا نا عبدالخالق سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ ۱۹؍ذی الحجہ۱۴۴۲ھ مطابق ۳۰؍جولائی۲۰۲۱ء بروز جمعہ تقریباً ساڑھے چار بجے راہی عالمِ آخرت ہوگئے،''إنا للّٰه وإنا إليه راجعُون ''اِنَّ لِلّٰهِ مَااَخَذَ وَلِلّٰهِ مَا اَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ.

آپ کی پیدائش صوبہ اُتر پردیش کے ضلع سنبھل کے علاقہ سرائے ترین کے محلّہ جھجھران میں ہر دل عزیز اور مقبولِ عام وخاص شاعر جناب نصیر احمد کے گھر ۴ جنوری ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ یہ ضلع مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔

تعلیم وتربیت کے لیے پہلے مدرسہ وحید المدارس سنبھل میں آپ کو داخل کیا گیا، بعد ازاں مدرسہ شمس العلوم سنبھل میں حفظِ قرآن، ابتدائی اردو، ہندی، ریاضی، حساب اور دینیات کی تعلیم کے علاوہ درجہ رابعہ تک درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۶۸ھ کے اواخر میں ام المدارس دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا، جہاں درسِ نظامی کی تمام کتب پڑھنے کے بعد۱۹۷۲ء میں دورہ حدیث مکمل کیا اور سالانہ امتحان میں تیسری پوزیشن حاصل کی، جو آپ کے لیے ایک بڑا اعزاز تھا۔ دورہ حدیث سے فراغت کے بعد تکمیل ادب میں داخلہ لیا چوں کہ آپ کو ادب سے دلچسپی شروع ہی سے تھی اس لیے ہمیشہ سے ہی آپ امتحان کے جوابات عربی میں لکھتے تھے،فراغت کے بعد ایک سال تکمیل ادب میں رہ کر حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی رحمہ اللہ سے خصوصی استفادہ بھی کیا اور عربی زبان وادب میں خوب مہارت حاصل کی، چناں چہ عربی زبان لکھنے اور بولنے میں آپ کو خوب مہارت حاصل تھی۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ، حکیم الاسلام حضرت

قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیو بندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، صدر مفتی دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مولانا نصیر احمد صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیو بندیؒ، حضرت مولانا اسلام الحق صاحب اعظمیؒ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیو بندیؒ، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ تھے۔

۱۹۷۳ء میں مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ میں تدریس کا آغاز کیا، چھ سال وہاں تدریسی خدمات انجام دیں، اور دورہ حدیث تک کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔۱۹۷۹ء میں جامع الہدیٰ مرادآباد آ گئے، وہاں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں ۱۹۸۲ء سے اپنی وفات تک تقریباً ۳۹ سال تک دارالعلوم دیو بند میں تدریس کے ساتھ ساتھ ۲۰۰۸ء میں انھیں دارالعلوم دیو بند کا نائب مہتمم بھی مقرر کیا گیا تھا۔

حضرت والا کریم النفس، شیریں بیاں، خوش مزاج، رقیق القلب، متواضع اور سادگی پسند شخصیت ہونے کے ساتھ ہر دلعزیز اساتذہ میں سے تھے۔اس کے علاوہ آپ نے خود کو ایک بہترین منتظم کے طور پر بھی ثابت کیا، نیز تصنیف وتالیف کے میدان میں بہترین قلم کار ہونے کے ساتھ آپ بہت اچھے مقرر بھی تھے، آپ کی تقریر صاف شستہ سلجھی ہوئی اور مؤثر ہوا کرتی تھی، آپ دارالعلوم دیو بند کے اجل فضلاء میں سے تھے، مسلک اہل سنت والجماعت اور مشرب اکابر دارالعلوم دیو بند کے پاسدار تھے اور باطل افکار واذہان کی اصلاح کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

آپ کے چچا حضرت مولانا عبدالمعید صاحب سنبھلی مدظلہ اپنی کتاب ''تاریخ سنبھل'' میں رقم طراز ہیں:

''بچپن سے قدرت نے انہیں غیر معمولی دماغی قوت وصلاحیت سے نوازا تھا، زمانۂ طالب علمی ہی میں دارالعلوم پہنچ کر علمی گوہر کھلنے لگے، بایں وجہ وہ اپنے ہم درسوں اور ہم چشموں میں ممتاز اور نمایاں رہے۔'' (تاریخ سنبھل،ص:۴۹۵)

آپ نے اصلاحِ باطن اور تزکیہ وسلوک کے لیے فقیہ الامت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن قدس سرہٗ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، آپ کے تلقین کردہ وظائف واوراد پر زندگی بھر عمل کرتے رہے۔

آپ نے کئی کتابیں بھی تالیف کی ہیں:۱:-تحقیقی محاضرات (پانچ جلد)،۲:-فتاویٰ عالمگیری کے کتاب الایمان کا اردو ترجمہ،۳:-شیخ عبد المجید زندانی یمنی کی ''کتاب التوحید'' کا اُردو ترجمہ، جو پانچ سوصفحات پر مشتمل ہے۔اس کے علاوہ بھی کئی مضامین آپ کے فیضِ قلم سے وجود میں آئے۔

وہ دار العلوم کے بڑے اُستاد ہونے کے ساتھ نائب مہتمم کے عہدے پر بھی فائز تھے، اس کے باوجود اُن کا طرزِ عمل، اندازِ گفتار، خوشگوار لہجہ اپنے چھوٹوں و مجھ جیسے طالب علموں کے ساتھ بھی انتہائی متوازن اور شفقت و محبت سے لبریز ہوتا تھا، ذاتی طور پر وہ راقم کے ساتھ بہت ہی شفقت کا معاملہ فرماتے، جب بھی جامعہ کے کسی کام سے دیوبند جاتا تو آپ کی خدمت میں ضرور حاضری ہوتی اور حضرت والا غایت درجہ شفقت فرماتے اور اپنے دولت کدہ پر چائے وغیرہ کا اہتمام کراتے۔

ایک مرتبہ حضرت کی مصروفیت اور آرام کا وقت ہونے کی وجہ سے ملاقات کے بغیر دیوبند سے واپسی ہوگئی، چناں چہ عدم ملاقات پر ناگواری فرمائی اور باقاعدہ میرے اُستاذ و مرشد حضرت مولانا محمد اسماعیل صادق صاحب مدظلہم کو فون کیا، جس کے بعد بندہ سے ایسی غلطی نہ ہوئی۔

احقر کی تازہ دو کتابوں ''امداد الفقہ مع تشریح وتوضیح'' اور ''التحریرات المدنیہ علی العقیدۃ الطحاویۃ'' پر تقریظ تحریر فرمائی؛ لیکن سوئے اتفاق کہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے طباعت حضرت کی حیات میں نہ ہوسکی، جب بھی حاضری ہوتی تو حضرت والا ان دونوں کی طباعت کے بارے میں دریافت فرماتے، بعض اھل مدینہ مشائخ کی فرمائش تھی کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی ''تفسیر بیان القرآن'' کی تعریب ہوجائے، جیسے ہی حضرت کے سامنے اس کا ذکر ھوا فوراً آپ نے اس کے شروع کرنے کا امر فرمایا اور اپنے لائق شاگرد دار العلوم دیوبند کے

استاد عربی حضرت مولانا عارف جمیل صاحب مبارکپوری حفظ اللہ سے آغاز کرادیا، الحمدللہ۔ جس کے شروع کے تین پارے مکمل بھی ہوگئے، باری تعالی اس کام کو تکمیل تک پہونچانے کے اسباب مھیا فرمائے اور حضرت کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، یقیناً یہ سب امور حضرت کی علم دوستی کا واضح ثبوت ہیں۔

جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور کے ذمہ داران، اساتذہ وطلبہ سے آپ کو حد درجہ لگاؤ اور تعلق تھا، گویا حضرت اس کو اپنا خاص مدرسہ سمجھتے تھے، جب بھی مظفرنگر یا ئی پاس سے حضرت کا گذر ہوتا، تو آپ حسب موقع تھوڑی بہت دیر کے لیے تشریف لاکر خدام جامعہ کو خدمت کا شرف بخشتے، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ ہوں یا وہاں کے طلبہ وخدام، وہ سب حضرت کی زبانی سنکر ہی جامعہ بلاسپور سے متعارف ہوتے، اور یہی تعارف اور حضرت کی توجہ داخلوں کے موقع پر بہت سے طلبہ وسر پرستوں کو بلاسپور کی جانب رخ کراتی۔

آپ چوں کہ بہت سے مدارس کے سر پرست بھی تھے، جس کو بڑے مخلصانہ انداز سے آپ زندگی کے آخر تک نبھاتے رہے، ان کی کریمانہ وفاضلانہ شان ہر ایک کے ساتھ ایسی ہی تھی کہ ہر ایک ان کو اپنے لیے انتہائی مشفق، مخلص اور مہربان سر پرست سمجھتا تھا؛ اسی لیے ان کے حادثۂ وفات سے ہر مدرسہ اور ہر مدرس اور ہر طالب علم اور ایک عام آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا،

آپ کی بیماری کی ابتدا اچانک پیر پھسلنے اور گرنے سے ہوئی، پھر اور کئی بیماریوں کا ظہور ہوا، سب کا مقدور بھر علاج ہوتا رہا، بالآخر کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستانِ قاسمی میں آپ کو سپردِ خاک کیا گیا، آپ کے پسماندگان میں ایک بیوہ، تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو جنت الفردوس کا مکین بنائے، آپ کی تمام حسنات کو قبول فرمائے اور آپ کے لواحقین، پسماندگان اور متوسلین وتلامذہ کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین

احوالِ جامعہ

ادارہ

ماہانہ تعلیمی جائزہ

تعطیل عیدالاضحیٰ ۱۴۴۲ھ کے بعد جامعہ میں تعلیمی سلسلہ بحمداللہ بحال ہوا، تو حسبِ ترتیب شعبۂ تحفیظ وشعبۂ عربی وفارسی (تا عربی چہارم) کا ماہانہ تعلیمی دوسرا جائزہ مؤرخہ ۶/۷/صفر۱۴۴۳ھ میں منعقد ہوا۔ طلبہ میں تعلیمی ذوق وفکرمندی مزید بیدار کرنے کی غرض سے اس مرتبہ کے جائزے میں بھی مادرِ علمی دارُالعلوم دیوبند کے چند مؤقر اساتذۂ کرام کو سفر کی زحمت دی گئی۔

(۱) حضرت مولانا حسین احمد ہریدواری مدظلہٗ

(۲) حضرت مولانا مفتی مزمل حسین مظفرنگری زیدمجدہٗ

(۳) حضرت مولانا عمران اللہ صاحب مدظلہٗ

(۴) حضرت مولانا مصلح الدین صاحب زیدمجدہٗ

ان حضرات نے عربی چہارم تک ہر جماعت میں ایک ایک کتاب کا جائزہ لیا اور دعاؤں کے ساتھ اپنے مخلصانہ مشوروں سے نوازا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین۔

دیگر کتابوں اور شعبۂ تحفیظ کا جائزہ حسبِ روایت جامعہ کے اساتذہ حضرات نے لیا۔

ترتیب امتحان ششماہی

یکم ربیع الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۶/نومبر ۲۰۲۱ء شنبہ سے جامعہ کے عربی درجات میں امتحان ششماہی کا آغاز ہو رہا ہے، جو پانچ یوم جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

شعبۂ تحفیظ وتجوید اور ناظرہ کا امتحان ۴/۵/ربیع الثانی ۹/۱۰/نومبر سہ شنبہ چہارشنبہ میں منعقد

ہوگا۔امتحان اور ممتحن حضرات سے متعلق تفصیلات آئندہ شمارے میں شائع ہوں گی ان شاء اللہ

چند مدرسین وملازمین کا تقرر

شعبۂ تحفیظ میں طلبہ کی تعداد کے اضافہ کی وجہ سے دو مدرسین کی ضرورت تھی؛ چناں چہ اعلان کے موافق انٹرویو کے لیے متعدد اساتذۂ کرام کی جامعہ آمد ہوئی، اُمیدوار حضرات مدرسین کے جائزہ وانٹرویو کے لیے دارُ العلوم دیو بند کے دو مؤقر اساتذۂ کرام حضرت مولانا قاری آفتاب عالم صاحب امروہوی مدظلہٗ، حضرت مولانا قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلند شہری مدظلہٗ کو دعوت دی گئی؛ چناں چہ ان حضرات کے انتخاب کے موافق تحفیظ کے لیے دو اُستاذوں کا تقرر عمل میں آیا:

(۱) جناب قاری محمد حمزہ بلند شہری۔(۲) جناب قاری محمد مکرم صاحب بھیسانوی۔

جامعہ کے زیر نگرانی دعوۃ الصدق جونیر ہائی اسکول کے لیے ایک ٹیچر کی ضرورت تھی، عصری تعلیم کے متعدد اساتذہ نے انٹرویو دیا، ماسٹر محمد آصف میرٹھی کا انتخاب عمل میں آیا۔

دفتر محاسبی کے لیے مزید ایک فرد کی ضرورت تھی، مولوی محمد ساجد کوکڑوی کا دفتر محاسبی کے لیے تقرر عمل میں آیا۔

اللہ رب العزت ان حضرات کے انتخاب کو جامعہ کے حق میں نافع بنائے، عافیت کا معاملہ فرمائے۔اس وقت ۶۵ /افراد پر مشتمل جامعہ کا عملہ ماشاء اللہ مصروفِ کار ہے۔اللہ تعالیٰ سبھی کی خدمات ومساعی کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول بخشے۔آمین

❑❖❑

تعارف وتبصرہ

(ادارہ)

(۱)

نام کتاب:۔۔۔۔۔۔۔ تذکرۂ نصیر

صفحات:۔۔۔۔۔۔۔ ۴۸۹

قیمت: ۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰

مؤلف:۔۔۔ مولوی محمد کلیم نعمانی قاسمی

"تذکرہ نصیر" جس مقدس ہستی کی طرف منسوب ہے، وہ اس کے نام سے ہی عیاں ہے ، وہ ہمارے اُستاذوں کے بھی اُستاذ اور سر کے تاج ، درجنوں مدارس کے بانی اور قوم وملت کے محسن تھے ، یعنی مفکر ملت اُستاذ العلماء حضرت مولانا مفتی نصیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ، آپ کی ذاتِ گرامی اپنے روشن کارناموں اور علمی نقوش وآثار اور وقیع خدمات کی وجہ سے آج بھی زندہ ہے، آپ کی ذاتِ عالی بلند پایہ نسبتوں کی حامل رہی ، مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحب لوہاروی ثم الکراچوی جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کے دامن فیض سے وابستگی ووارفتگی ، اور فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سہارن پوری ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کی اجازت وخلافت نے اُنھیں علمی وعملی ، قلمی وفکری ، فقہی وتحقیقی ، تبلیغی واصلاحی ، روحانی وعرفانی راہوں میں منزل مقصود تک پہنچا دیا تھا۔

سوانح حیات پر مشتمل آپ کا یہ تذکرہ کئی وجوہات سے خاص اہمیت وتوجہ کا حامل ہے کہ آپ کی وفات کو دو دہائیاں گزر چکی ہیں، آپ کے روشن کارناموں اور زریں خدمات پر دبیز پردے پڑنا ایک فطری بات تھی ، جیسا کہ یہ چیز سامنے بھی آئی کہ کئی معتبر اصحاب قلم نے ضمناً کہیں آپ کا ذکر کیا تو سن ولادت ووفات کے بعد جگہ خالی چھوڑنا (اُن کے عدم علم کے سبب) اُن کی مجبوری بنا۔

بہرحال! تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے کہ عزیز گرامی مولوی محمد کلیم نعمانی قاسمی سلمہ اللہ نے اس طرف توجہ کی ، اور اُنھوں نے ہر چہار سو اپنا پیغام عام کیا ، اکابر علماء کا اعتماد حاصل کیا ،

سفر در سفر خاک چھانی، دن رات محنت ومشقت کی، پوری لگن کے ساتھ توجہ صرف کی، مختلف مزاج لوگوں سے ملاقات کا واسطہ پڑا، اللہ نے اُنھیں سلیقہ عطا کیا ہے، فہم وذکاوت منجانب اللہ اُن کے حصے میں آئی ہے؛ اسی لیے وہ برابر اپنے اساتذہ سے رابطے میں رہے، اور حضرت کے چھوٹی بڑی عمر کے متعدد تلامذہ سے ملے، اصحاب علم وقلم سے مشاورت لی، اور ایسی دھن ولگن سے یہ کام کر دکھایا کہ بظاہر اس کا پورا ہونا یا انجام پانا آسان نظر نہ آتا تھا، خوبی کی بات یہ ہے کہ تصنیفی طرز اور صحافتی اُسلوب کا مکمل لحاظ کرتے ہوئے دس ابوب پر مشتمل ایک بہترین اور لائق آفریں مجموعہ تیار کر دیا۔

اور ۲/ رجب المرجب ۱۴۴۲ھ/ ۱۵/ فروری ۲۰۲۱ء کو صاحبِ سوانح کا قائم فرمودہ ''ادارہ فیض مسیح الامت'' بڑوت میں تقریب اجرا کا انعقاد کر کے شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔

کتاب کی ہر ہر چیز قابل تحسین، کاغذ بہترین، ٹائٹل دیدہ زیب، طباعت دل فریب غرض ہر اعتبار سے کتاب کو جمال وکمال حاصل ہے، چناں چہ حضرت کے تلامذہ وعلما کی ایک بڑی تعداد نے شریک پروگرام ہو کر مرتب کتاب مولانا محمد کلیم نعمانی کو داد وتحسین سے نوازا، اُن کے حوصلوں کو سراہا۔

کتاب یقیناً اس لائق ہے کہ اسے خریدا جائے، اور پڑھا جائے، مرتب کی زبان میں صفائی، قلم میں روانی اور انداز میں سلاست وملاحت ہے، جابجا عکوس ونقوش پرکشش اور جاذب نظر ہیں، حوالہ جات اور استناد کے التزام سے کتاب خود معتبر ہوگئی ہے، کتاب میں پورے ایک عہد کی تاریخ ہے، مغربی یوپی کے مثالی ومرکزی ادارے جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد کا ذکر جمیل ہے، مظفر نگر، شاملی، باغپت وغازی آباد کے متعدد مدارس کے پس منظر پر مشتمل ایسی دل چسپ داستاں کہ مدارس سے وابستگی رکھنے والے ارباب وحل وعقد ہی نہیں؛ بلکہ اُن کے فیض یافتگان وفضلا کے لیے بھی مسرت کا باعث ہے، مفتاح العلوم کی کبار شخصیات اور اہل علم وخواص میں سے ڈیڑھ درجن اجلّ تلامذہ کا دل آویز تذکرہ اور یک صد تلامذہ کی اجمالی فہرست اس پر مستزاد ہے، ماضی کے جھروکوں سے مستقبل کی تعمیر کا سلیقہ،

جہالت وضلالت میں دینی خدمات کا طریقہ اوراصحاب فضل اولیاءاللہ کے حصول مراتب کا وسیلہ، اور کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ بننے کا قرینہ یہ سب آپ کتاب میں موجود پائیں گے۔

ترتیبِ کتاب میں صاحب سوانح کے خلف الرشید حضرت الاستاذ مولانا محمد کامل صاحب مدظلہ العالی کی نگرانی نے چار چاند لگادیے ہیں، اُن ہی کے ادارے سے کتاب شائع ہوئی ہے، نہایت ہی مناسب قیمت پر ہمارے یہاں کے علاوہ دیوبند کے بڑے کتب خانوں سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

کاغذ کی یہ مہک یہ نشہ روٹھنے کو ہے
یہ آخری صدی ہے کتابوں سے عشق کی

(سعود عثمانی)

گھر کے ضروری اور غیر ضروری سامان کا انتخاب

ارشاد فرمایا: کہ امراء کو ایک بات یہ چاہیے کہ جس سے اسراف سے نجات ہو اور انتظام درست ہو۔اول اپنے اسباب کا انتخاب کریں کہ کون سا سامان ضروری ہے اور کون سا فضول ہے۔امراء میں یہ آفت ہے کہ جو چیز پسند آئی خرید لی۔اس سے بحث نہیں کہ اس کی حاجت بھی ہے یا نہیں۔ ہر چیز کے خریدار ہوجاتے ہیں۔ جب کسی دُکان پر جاتے ہیں، تو کچھ نہ کچھ ضرور خریدتے ہیں۔ان کے نزدیک یہ عام (شرم) کی بات ہے کہ کوئی یوں کہے کہ دکان آئے اور لیا کچھ نہیں۔گھر میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ بیکار رکھی رہتی ہیں۔عمر بھر کسی کام میں نہیں آتیں۔پس سب سے پہلے انتخاب گھر کا کرو۔جتنی چیزیں کام میں آتی ہیں رہنے دو اور جتنی کام میں نہ آئیں خارج کرو یا بیچ دو یا مساکین کو دے دو۔نفلی صدقہ دینے کی ہمت نہ ہو تو زکات ہی میں دے دو۔میں ایک مفید ترکیب فضول خرچی نہ ہونے کی بتلاتا ہوں۔وہ یہ کہ گھر کا معائنہ کیا کرو۔گھر میں بہت سی چیزیں ایسی دیکھو گے جو سڑ رہی ہیں، کسی کو دیمک لگ رہی ہے۔پس ایسی چیزوں کو اپنی ملکیت سے الگ کردو؛ تاکہ گھر میں رونق ہو۔ایک دفعہ ایسا کر گزرو گے، تو آئندہ ایسی چیزیں کبھی نہ خریدو گے۔(ارشادات حکیم الامتؒ:ص۴۹۶)

(۲)

نام کتاب:۔۔۔ تذکرۂ حبیب اللہ

صفحات:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۴۵۶

قیمت: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۵۰

مؤلف:۔۔۔ مفتی محمد عابد یسع قاسمی

حامداً و مصلیاً أما بعد!

سوانح ''تذکرۂ حبیب اللہ'' اس شخصیت کی طرف منسوب ہے؛ جنھوں نے درسِ نظامی سے فارغ ہوکر اپنی نوعمری ہی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے بیعت ہوکر اُن کا دامن تربیت سنبھال لیا تھا؛ جنھوں نے حضرت شیخؒ سے ظاہری علم وفضل کے ساتھ اپنے باطن کو بھی آراستہ کیا، اور شیخؒ کی زندگی کے آخری بارہ سالوں میں خدمت کرکے وہ مقام حاصل کرلیا تھا، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، آپ حضرت شیخؒ کے معتمد بھی تھے اور کاتب بھی، ان کے دم ساز بھی تھے اور ہم راز ومزاج شناس بھی، جن کو خلوت وجلوت کی خدمت بھی نصیب ہوئی اور سفر وحضر کی رفاقت کا شرف بھی، مذکورہ نسبتوں کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ نے آپ کو سفر ہجرت میں اپنا رفیق وخادم منتخب کیا، حرمین شریفین کے مبارک اسفار میں بھی آپ کو شیخ کی رفاقت کا شرف حاصل رہا، اور جب مدینہ منورہ میں مخدوم (حضرت شیخ) کا مستقل قیام ہوا، تو خادم (حضرت والاؒ) نے بھی اسی بلدِ طیبہ کو اپنا مسکن ومستقر بنالیا تھا، حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ مدینہ منورہ میں حضرت شیخؒ کے بعد تقریباً اُنتالیس سال اور مجموعی مدت تقریباً اڑتالیس سال قیام پذیر رہے، اس طویل عرصے میں آپ نے پورا وقت اپنی تمام تر خداداد صلاحیتوں کو دین متین کی اشاعت، علمائے دیوبند کے تعارف وخدمات، مسلک دیوبند کی ترجمانی اور اس کی تشریح وتفہیم میں صرف کردیا تھا۔

آپ مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً) میں علمائے دیوبند کے اصلاحی، علمی ودینی تحریک کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہی نہیں؛ بلکہ اس حلقے کے ایک عظیم ترجمان تھے، حق گوئی

کے معاملے میں تصلب فی الدین کے دامن کو آپ نے کبھی بھی ہاتھ سے نہ چھوڑا، مسجد نبوی میں آپ نے ۲۸ رسال درس حدیث دیا، اس طویل عرصے میں ہزاروں طلبہ نے استفادہ کیا، آپ کی مقبولیت ومحبوبیت دیکھ کر مدینہ منورہ یونیورسٹی کے بہت سے طلبہ واساتذہ حضرت والا کے پاس اپنے اشکالات، حدیثی مباحث ومسائل دریافت کرانے لگے؛ لیکن آپ نہ تو کسی بڑے سلفی وغیر سلفی عالم سے متاثر ہوے، اور نہ کسی مسئلے میں ان سے سمجھوتا کیا، حکومتی نمائندوں کی جانب سے آپ کے درس کے متعلق رُکاوٹوں اور پابندیوں کا معاملہ سامنے آیا، تو آپ نے تدریسی سلسلے کو محدود کرنے ہی میں عافیت سمجھی؛ چناں چہ حرم نبوی میں درس موقوف کرکے اپنے دولت کدے پر ہی آپ نے درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھا، اور پوری زندگی خدمت حدیث اور شریعت وسنت کی پیروی میں گذاردی، آپ کی وفات کے عظیم سانحے کے بعد ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوے ہزاروں تلامذہ محبین ومتعلقین کی خواہش تھی کہ حضرت کی سوانح مرتب کرکے شائع کی جائے۔

یہ کتاب ابتدائیہ کے ساتھ دس ابواب پر مشتمل ہے، ابتدائیہ میں دارالعلوم ومظاہر علوم اور ندوہ کے اکابر کے تاثرات وتقریظات ہیں؛ جب کہ باب اول میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ولادت وخاندانی احوال اور ابتدائی تعلیم ومظاہر علوم سے فراغت کا ذکر ہے۔ دوسرے باب میں آپ کے مظاہر علوم کے سترہ اساتذہ کرام کا مختصر احوال کا تذکرہ ہے، جن سے آپ نے درس نظامی پڑھ کر فراغت حاصل کی، تیسرے باب میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی خدمت، سفر ہجرت اور مدینہ منورہ میں درس وتدریس پر روشنی ڈالی گئی ہے، چوتھے باب میں عرب وعجم کے بعض مشہور تلامذہ ومستفیدین وخدام کا تعارف پیش کیا گیا ہے، پانچویں باب میں آپ کے اوصاف وکمالات، امتیازات وخصوصیات کو جمع کیا گیا ہے، چھٹے باب میں آپ کے تصنیفی وتالیفی اُمور اور مخطوطات پر مراجعت کی خدمات کو نمایاں طور سے پیش کیا گیا ہے، ساتویں باب میں قیام مدینہ منورہ میں مختلف الانواع خدمات مذکور ہیں، اور آٹھویں باب میں محلّہ اسکان میں قیام سے وفات تک کے احوال قلم بند کیے گئے ہیں، نویں باب میں مختلف ممالک کے اکابر واصاغر کے ان مراسلات ومکتوبات کو جمع کیا گیا ہے، جو اُنھوں نے قیام مدینہ منورہ کے زمانے میں حضرتِ والا کے نام تحریر کیے تھے، اور دسویں باب میں بعض

ممالک مثلاً سعودیہ، ملک شام، بحرین، مسقط، ہندوستان و پاکستان، افریقہ و برطانیہ وغیرہ کے اکابر علماء اور تلامذہ کے مضامین کو جمع کیا گیا ہے، جنھوں نے اپنے اپنے تعلقات کا اظہار اور حضرت مدنیؒ سے تعلق کی نوعیت، اور استفادے کا ذکر اور مختلف اُمور کو اپنی مختصر تحریر میں جمع کرنے کی ایک خوب صورت کوشش و دلکش انداز میں ایک عمدہ کاوش کی ہے، جس کا اندازہ قارئین کرام خود محسوس کریں گے؛ ان شاء اللہ!

بہر حال! یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ صالحین اور پاک باز زندہ لوگوں کی صحبت جس طرح انسان کو خدا ترس بنا دیتی ہے، اور اس کو کامیابی کی راہ سے ہم کنار کر دیتی ہے، اسی طرح اس دار فانی سے کوچ کر جانے والے اہل اللہ صلحاء کے حالات، واقعات اور تعلیمات کا مطالعہ بھی زندگیوں میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا کر دیتا ہے، اسی صالح جذبے کے ساتھ یہ تذکرہ حضرت کے محبین و متوسلین کی نذر کیا جا رہا ہے، جو یقیناً متعلقین و مسترشدین اور قدر داں احباب کی تسلی کا سامان اور سالکین و محبین کے لیے سبق آموز و مشعل راہ ثابت ہوگا، ان شاء اللہ...... ع

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا؛ مگر
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھُلے

مؤلف نے عقیدت و محبت کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ یہ سوانح لکھی ہے، اور جب تک یہ دونوں چیزیں نہ ہوں کسی کی شخصیت کی صحیح ترجمانی نہیں ہو سکتی؛ لیکن اس کے باوجود بڑی عرق ریزی، تحقیق و جستجو کے ساتھ افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر حد درجہ کوشش کی ہے کہ مبالغہ آرائی نہ ہو اور نہ صاحبِ کتاب کی حق تلفی ہو؛ بلکہ دونوں کے درمیان توازن برقرار رہے، اور اس کا صحیح فیصلہ سنجیدہ قارئین کریں گے کہ سوانح نگار اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہیں۔

مرتّب نے یہ کتاب مرتب کر کے حضرت والا مدنی علیہ الرحمہ کے جملہ خلفاء، تلامذہ اور مریدین و محبین کے ذمہ سے ان کے حق کی ادائیگی کی ہے، اس لیے سبھی کی جانب سے لائق مبارک باد ہیں، اور صالح دعاؤں کے مستحق بھی، کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس کاوش کو مقبولیت و محبوبیت سے نوازے، اور اُن کے لیے آخرت کا بہترین توشہ بنائے، دنیا میں صلاح و فلاح کا ذریعہ بنائے اور جملہ ناظرین کو قدر دانی کی توفیق بخشے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

منظوم خراج عقیدت

بروفات ادیب العصر حضرت مولانا **عبدالخالق** صاحب سنبھلی نوراللہ مرقدہٗ اُستاذِ حدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

کاوشِ قلم: مولانا رسالت حسین غازی قاسمی - ڈھکہ، امروہہ، (استاذ دارالعلوم عربک کالج میرٹھ)

پیکرِ حلم و حیا خنداں جبیں ، شیریں سخن
شانِ بزمِ قاسمی ، روحِ ادب ، جانِ چمن
کیف آور اُس کے مے خانے کا ہر اک جام تھا
اس کے دستِ فیض کا مرہون خاص و عام تھا
ایسا ساقی مے کشوں پر عام تھا جس کا سبو
تھا ادیب العصر عبدِ خالق اُس کا نام تھا
نازشِ اُمّ المدارس ، نرم خُو ، غُنچہ دہن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

گلستانِ مادرِ علمی کا کِھلتا اک کنول
خوش نوائی ، نکتہ دانی ، بذلہ سنجی بے بدل
برق رفتاری حدیثِ مصطفیٰ کی شرح تھی
انکساری ، عاجزی کا استعارہ ہر عمل
خاک کے بستر پہ محوِ خواب وہ نازک بدن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

وہ احادیثِ نبی کے درس کا مسند نشیں
اہتمامِ " ازہرِ ہندی " کی مسند کا امیں
وہ سراپا خیر ، مشفق ، مہرباں ، وہ داد رَس
آشنائے غیظ دیکھی ہی نہیں جس کی جبیں
آہ ! ویراں کرگیا وہ آج خُردوں کا چمن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

دل نشیں ، دل کش ، انوکھا ، منفرد اُسلوب تھا
اور حدیثِ مصطفیٰ کا درس کیا ہی خوب تھا
شُستہ ، شائستہ زباں تھی ، وہ تھا نکتہ آفریں
درسِ " دیوانِ ابو طیّب" سدا محبوب تھا
سازِ عطر افشاں پہ اُس کے تھا فدا مُشکِ خُتن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

بے سہاروں کا سہارا ، بے زبانوں کی زباں
اُس کے در پر ہر گھڑی رہتا ہجومِ بے کساں
طالبِ حاجت کا وہ فریاد رَس تھا بالیقیں
تشنہ کاموں کا وہی تھا چشمۂ آبِ رواں
ظلمتِ شب میں وہی ہوتا تھا شمعِ انجمن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

شہ سوارانِ قلم میں بھی نمایاں وہ رہا
صفحۂ قرطاس پر اُس کا قلم بہتا رہا
اُس نے ہی بخشی تھی "زندانی" کی "التوحید" کو
اور "ہندیّہ" کی " الایماں" کو اُردو کی قبا
ہے زباں زد اُس کے پانچ علمی رسالوں کا وزن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

زندہ دل ، سادہ طبیعت ، پاک فطرت ، پاک باز
سنتِ احمد کے سانچے میں ڈھلا اُس کا مزاج
بالیقیں معیارِ اخلاقِ نبی تھی اُس کی ذات
دے رہے ہیں یوں اُسے سب ہی محبت کا خراج
ذہن و دل میں ، چشمِ تر میں نقش اُس کا بانکپن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

وہ کتابی روئے تاباں ، وہ ادائے دل نواز
چاک دامانِ گلستاں کا رہا جو چارہ ساز
وہ شگفتہ رُخ ، رہی جس پر سدا فصلِ بہار
ہوگیا نذرِ خزاں اب سنبھلی سوز و گداز
آب دیدہ خود ہے غازیؔ ، ہے شکستہ پیرہن
پیکرِ حلم و حیا ، خنداں جبیں ، شیریں سخن

QUARTERLY DAVATUSSIDQ Regd:- No. UPURD/2011/37230 Oct.Nov.Dec.2021
Vol:12 Issue 4

بیسمینٹ وگراؤنڈ فلور–طول 122 عرض 100 صفیں 22

افراد دونوں حصوں میں تقریباً 3100 —— خرچ فی مصلّی 8000 روپے تقریباً

OFFICE:- QUARTERLY DAVATUSSIDQ
JAMIA FALAH-E-DARAIN AL ISLAMIA BILASPUR
DISTT.MUZAFFARNAGAR 251001 (U.P.) INDIA
Mob:9759856363,9410621735,9808223016

Designed By:
Murshidul Falah Computer
Jamia Bilaspur,#9758238296